UNIVERSAL LIBRARY
OU_226075
UNIVERSAL LIBRARY

تصوف اسلام

اسلامی تصوف کا عطر، قدماءِ صوفیہ کی تعلیمات کا لبِّ لباب
اور
اُن کی تصانیف پر تبصرہ

از

عبد الماجد

صاحب تفسیر القرآن وغیرہ و مدیر "صدق" (لکھنؤ)

باہتمام: مولوی مسعود علی ندوی

در مطبع معارف اعظم گڑھ بچاپ رسید
(طبع سوم)

فہرست مضامین

تصوف اسلام

عنوان	صفحہ
دیباچہ طبع ثالث	۱ - ۵
" طبع ثانی	۶ - ۷
" طبع اول	۸ - ۱۴
باب (۱) کتاب اللمع (شیخ ابو نصر سراجؒ)	۱۵ - ۴۱
باب (۲) کشف المحجوب (شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ)	۴۲ - ۷۹
باب (۳) رسالۃ القشیریہ (استاد ابوالقاسم قشیریؒ)	۸۰ - ۹۹
باب (۴) فتوح الغیب (شیخ عبدالقادر جیلانیؒ)	۱۰۰ - ۱۱۷
باب (۵) عوارف المعارف (شیخ شہاب الدین سہروردیؒ)	۱۱۸ - ۱۳۶
باب (۶) فوائد الفواد (خواجہ نظام الدین دہلویؒ)	۱۳۷ - ۱۶۲
باب (۷) منطق الطیر (شیخ فریدالدین عطارؒ)	۱۶۳ - ۱۸۰
باب (۸) لوائح (شیخ عبدالرحمٰن جامیؒ)	۱۸۱ - ۲۰۰
باب (۹) فقر محمدی (شیخ احمد الواسطیؒ)	۲۰۱ - ۲۰۸
[illegible]	۲۰۹ - ۲۲۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طبع ثالث

۱۳۶۵ھ
۱۹۴۶ء

عربی میں ایک مقولہ چلا آتا ہے کہ فقہ تو پڑھی نہیں لیکن فقہ پر کتاب لکھ ڈالی ہے، اردو میں بھی چلی ہوئی مثل ہے کہ پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل ـــــ یہ کہاوتیں کسی اور پر صادق آتی ہوں یا نہ آتی ہوں ان سطور کے راقم پر تو ضرور ہی صادق آتی ہیں، تصوف، حقیقت تصوف، تاریخ تصوف، فلسفہ تصوف، فن کے ظاہری و باطنی کسی شعبہ سے کوئی علاقہ نہیں لیکن کتاب فن پر موجود! ـــــ اس لئے اجازت ہو تو قبل اس کے کہ ناظرین کچھ آگے بڑھیں انھیں عربی کے اس مشہور عارفانہ وحکیمانہ کلام کی یاد ایک بار دلا دی جائے، کہ

انظر ما قال ولا تنظر الی من قال ۔

نظر صرف قول پر رکھئے قائل کو نظر انداز
کیجئے بس یہ دیکھئے کہ بات کہی کیسی گئی
یہ نہ دیکھئے کہ کہنے والا بھی کیسی تمام

کتاب ۱۹۲۲-۲۳ء کی لکھی ہوئی ۲۲-۲۳ سال بعد آج پریس میں تیسری با

جا رہی ہے اور نظر ثالث کے دور سے نومبر و دسمبر ۱۹۴۵ء میں گذری ہے، جہانتک لفظ و عبارت کا تعلق ہے اس بار بھی مسودہ کو شروع سے آخر تک پڑھ کر جا بجا مناسب ترمیمیں کر دی گئی ہیں، کہیں کچھ حذف، کہیں کچھ اضافہ، کہیں کچھ اور رد و بدل،

معنوی حیثیت سے چاہیے تو یہ تھا کہ طبع اول اور طبع سوم کے درمیانی فاصلۂ بعید کا لحاظ کر کے بہت کچھ بڑھا دیا جاتا، لیکن ایسا بالکل ہی نہ ہو پایا، تغیرات صرف اتنے ہوئے ہیں کہ

(۱) فقر محمدی جو طبع دوم میں ایک ضمیمہ کی حیثیت رکھتا تھا، اُسے اب کی ایک مستقل باب بنا دیا گیا ہے،

(۲) مرشد کی تلاش جو طبع دوم میں ضمیمۂ دوم تھا، علم یہ صرف اسی کو رکھا گیا ہے، ہاں اس کے نفس مضمون پر نظر ثانی کر کے اُسے ضخیم و وسیع بہت بنا دیا گیا ہے، مرشد کی اہمیت اب نظر میں اس درجہ میں باقی نہیں رہی جو آج سے ۲۵ سال قبل تھی، اکبر الہ آبادی کا ایک شعر بھی اس سلسلہ میں یاد پڑ گیا، ؎

تجربہ خود ہی بتا دیتا ہے مرشد اکبر | سچ کہا آپ نے پیری میں مریدی کیسی

البتہ ایک رسالہ اس درمیان میں ایسا نظر سے گذرا کہ اگر اس کا مختصر تعارف بھی ناظرین سے نہ کرایا جائے، تو یہ اُن کے ساتھ بڑا بخل ہوگا، رسالہ کا نام القصد الی اللہ ہے، زبان عربی، ایک قلمی نسخہ کوئی ۲۵ سال کی مدت ہوئی نواب سالار جنگ بہادر حیدر آباد کے کتب خانہ میں نظر سے گذرا تھا، اور اس کی نقل بھی اس زمانہ میں نواب ممدوح کی اجازت و عنایت سے حاصل ہو گئی تھی، دوسرا قلمی نسخہ مع تحت اللفظ فارسی ترجمہ کے مولانا عبد الباری مرحوم فرنگی محلی کے ہاں نظر آیا، اور مرحوم سے بھی اسکی نقل لی گئی، مصنف

کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ اور کتاب میں جا بجا قال ابوالقاسم العارف آتا ہے۔ مصنف کا نام دونوں نسخوں میں جنید بغدادی لکھا ہوا ملا، لیکن رسالہ جنید کی تصنیف یوں نہیں کہ کتاب کے درمیان میں ایک سنہ درج ہے، جو وفات جنید سے بہت بعد کا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ محض کنیت کے اشتراک (کہ آپ کی بھی یہی کنیت ہے) اور نفس موضوع کی مناسبت سے رسالہ کے کسی کاتب نے اسے حضرت جنیدؒ کی طرف منسوب کر دیا ہے، پھر دوسرے نسخوں میں بھی وہی نقل ہوتا رہا۔ ۔۔۔ پرانے قلمی نسخوں میں اس قسم کی غلطیاں نادر نہیں،

بہرحال مصنف ابوالقاسم جنید تو نہیں، البتہ کوئی دوسرے ابوالقاسم عارف وہ جو بھی ہوں ہیں وہ کوئی بڑے ہی شخص، اور غالباً چوتھی صدی ہجری کے، ان کی کتاب کے سرسری خاکہ سے بھی اندازہ ہو جائیگا کہ تصوف و سلوک کے اُس زمانہ میں کیا معنی تھے،

کتاب ایک مختصر تمہید کے بعد ذیل کے دس بابوں میں تقسیم ہے:۔

(۱) فی القصد الی اللہ تعالیٰ وما یستقبل من العقبات، یعنی جو اللہ کی طرف قدم اٹھاتا ہے، اُسے کن کن دشوار گذار مرحلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے،

(۲) فی ترک الوقوف من المنازل والمقامات عند القصد الیہ یعنی سالک جب قدم اُٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے منازل و مقامات پر رُکنے نہیں دیتا، بلکہ اپنے ہی لئے خاص کر لیتا ہے

(۳) فی تمنیٔ الحق سبحانہٗ و تعالیٰ الی سر القاصدین الیہ واستماعھم للّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ سالکین کے دل میں اپنی ایسی تمنا ڈال دیتا ہے، کہ اس کے آگے ان کے

دل سے ساری تمنائیں رخصت ہو جاتی ہیں،

(۴) فی اجابۃ القاصدین نداء الحق بعد استماعھم لہ یعنی سالکین طریق آواز حق سننے کے بعد اس کا اتباع بھی کرتے ہیں،

(۵) ما ینبغی للقاصدین من ۔ یعنی سالکین کو کن تیاریوں کی ضرورت ہوتی ہے، جن کے بعد ہی وہ یافت کے اہل ہو سکتے ہیں،

(۶) ما ینبغی للقاصدین من رعایۃ النفس والروح والقلب یعنی سالک کو نفس و روح و قلب کی کس حد تک رعایت ضروری ہے،

(۷) فی مشاورۃ النفس والروح والقلب فی امور القصد الی اللہ تعالی یعنی طریق میں نفس و روح و قلب کے کیا کیا درجے اور مرتبے ہیں،

(۸) القاصدین الی اللہ وصفتھم و علامتھم من الاشیاء یعنی سالکین طریق کے صفات و خصوصیات کا ذکر،

(۹) فی القصد الی اللہ تعالی و بیان قصۃ ابی یزید یعنی اصل سلوک و حکایت یزید سے اس پر استشہاد،

(۱۰) فی حکایت القاصدین الی اللہ تعالی و قصصھم یعنی مشہور سالکین طریق کی حکایتیں،

اول کے نو بابوں میں معرفت و طریقت کے تمام تر اصول و مسائل ہیں، جنھیں بدعات مروجہ اور رسوم مشائخ سے کوئی مناسبت ہی نہیں بس مجاہدات کا ضبط خواہشات کا ترک لذات کا بیان ہے اور آخری باب میں حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم ادہم تک حضرات انبیاء و اولیاء کی حکایتیں درج ہیں،

عرسوں اور اونچے گنبد والے مزاروں کے، رواجی تصوف کا ذکر کہیں آس پاس نہیں

جن ناظرین کرام کی نظر سے یہ رسالہ گذرے، اُن سے بمنت درخواست ہے کہ حکیم الامت اشرف العلما، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے صوفیانہ مضامین و رسائل کا مطالعہ ضرور فرمالیں، انشاء اللہ طریق سے متعلق ہر مشکل آسان ہوکر رہے گی، ان کا ساجد دفن مدت سے نہیں پیدا ہوا تھا، حضرت کی تحریریں اس موضوع پر کوئی ایک دو نہیں چھوٹی بڑی ملاکران کی تعداد بیسیوں سے متجاوز ہے،

آج جو بڑے بڑے اکابر فن و ائمہ طریق مشہور چلے آرہے ہیں، آیندہ تاریخ سلوک اسلامی میں انہی کی صف میں انشاء اللہ حضرت کا نام نامی بھی نظر آئیگا،

حال کے اچھے لکھنے والوں میں ایک صاحب اور بھی ہیں، مغربی طرز کے تعلیمیافتہ ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی، صدر شعبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ دکن، اُن کی تحریریں بھی اس موضوع پر خصوصاً انگریزی تعلیم یافتوں کے حق میں آب حیات کا حکم رکھتی ہیں، عین ان سطور کی تحریر کے وقت ان کی تازہ کتاب قرآن و تصوف آئی ہوئی ہے

سب سے آخر میں عرض یہ ہے کہ پڑھنے والے اگر اپنے لطف و کرم سے اس کم سواد' بے استعداد، عاصی و پر معاصی کو دعاے خیر سے یاد فرمائیں گے تو یہ اُن کی ذرہ نوازی سے بعید نہ ہوگا، اور خود ان کے لئے انشاء اللہ باعث اجر ہوگا،

جنوری ۱۹۴۷ء

دریاباد - بارہ بنکی

عبدالماجد

دیباچہ طبع ثانی

سنہ ۱۳۴۸ھ
۱۹۲۹ء

پورے پانچ سال ہونے کو آئے جب تصوف اسلام اوّل بار شائع ہوئی تھی، رب کریم کے الطاف بے کراں کا شکریہ کس زبان سے ادا کیا جائے جس نے اپنے اس ہیچمداں اور بے مایہ بندہ کی قلمی کوشش کو کامیاب بنایا اور تین ساڑھے تین برس کی مدت میں پہلے اڈیشن کو ختم کرا دیا۔ ۱۹۲۸ء کی آخری سہ ماہی میں طبع اوّل کے مسودہ پر نظر ثانی اضافہ و ترمیم کا موقع ملا، اور ۱۹۲۹ء کی آخری سہ ماہی میں اس کی اشاعت کی نوبت آئی ہے، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم ٥

طبع اوّل کو بعض اہل دل بزرگوں کی پیشگاہ سے خلعت قبول حاصل ہوا اور ان کی دعاؤں کی برکتیں رائگاں نہیں جا سکتیں، دوسری طرف نامور مستشرق کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر نکلسن نے بھی بہت حوصلہ افزا خیالات کا اظہار فرمایا، اور اپنے گرامی نامہ میں اس ناچیز تالیف کو طلبہ تصوف کے لئے ایک نہایت مفید مقدمہ قرار دیا، وہ کریم و کار ساز جس ذرہ کو چاہے آفتاب بنا دے اور جس بے مایہ کو چاہے سرمایہ سے مالا مال کر دے، "داد حق را قابلیت شرط نیست"، جس کسی نے کہا ہے بالکل صحیح کہا ہے،

موجودہ اڈیشن میں مسودہ کی نظر ثانی لفظاً لفظاً کی گئی ہے، جا بجا عبارتیں

بدل دی گئی ہیں کہیں کہیں کسی مشکل لفظ کے بجائے آسان لفظ رکھ دیا گیا ہے، اکثر مقامات پر جزدی اضافے کئے گئے ہیں، اور ایک فاضل دوست کے حسب مشورہ ایک پورا باب (باب ۶) سرے سے بالکل نیا شامل کر دیا گیا ہے، ان کے علاوہ آخر میں دو مضامین اپنے ہفتہ وار سچ سے نقل کر کے بطور ضمیمہ بڑھا دیے گئے ہیں، ممکن ہے ان کے مطالعہ سے کسی طالب کو کچھ نفع پہنچ جائے، مقصد ان دونوں مقالات کا بھی وہی ہے جو ان اوراق کا ہے، یعنی صحیح اسلامی تصوف کی توضیح و تشریح، ان سب تغیرات سے قدرۃً حجم میں خاصہ اضافہ ہو گیا ہے، ظاہری ضخامت کے اضافہ کے ساتھ خدا کرے کچھ معنوی خوبیاں بھی پیدا ہو گئی ہوں،

پچھلے سال اللہ کے فضل و کرم سے صاحب مثنوی حضرت مولانائے رومیؒ کے ملفوظات طیبات کی بھی جو اب تک غیر مطبوع اور شاید نامعلوم تھے، بہ اضافہ مقدمہ و تبصرہ و حواشی، طبع و اشاعت کی توفیق نصیب ہو گئی، جو حضرات فارسی کی استعداد اوسط درجہ کی رکھتے ہیں اور تصوف کی تشریح اس مشہور و معروف عارف کامل کی زبان سے نثر میں سننا چاہتے ہیں وہ شاید فیہ ما فیہ (کہ یہی اس ملفوظ کا نام ہے) کا مطالعہ اپنے لئے بے لطف و بے نفع نہ پائیں، و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ؁

دریاباد۔ بارہ بنکی

ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ
۱۹۲۹ء

عبد الماجد

دیباچہ طبع اوّل

اسلام خدا کی طرف سے بندوں کے حق میں کامل ترین و جامع ترین پیام رحمت ہے، انسان کے ذہنی و عقلی، اخلاقی و معاشری، جسمانی و روحی، انفرادی و اجتماعی تمام ضرورتوں کا کفیل اور ہر شعبۂ حیات میں ترقیوں کا ضامن، خدارسی و خداشناسی کی تعلیم اس کا اصل مقصود تھی، اس پر اس نے خاص طور سے زور دیا، اور اس کے ذرائع و وسائل اس نے اس جامعیت کے ساتھ بیان کیے کہ ان میں کسی قسم کے تغیر و ترمیم، تخفیف و اضافہ کی گنجائش نہ چھوڑی،

مسلمانوں میں ابتدا سے ایک گروہ ایسا موجود ہے جس نے تمام مقاصد دنیوی سے قطع نظر کر کے اپنا نصب العین محض یاد خدا و ذکر الٰہی کو رکھا، اور صدق و صفا، سلوک و احسان کے مختلف طریقوں پر عامل رہا،

شروع شروع یہ گروہ دوسرے ناموں سے ملقب رہا، ایک طویل عرصہ گذر جانے کے بعد رفتہ رفتہ اس کے مسلک کا نام "مسلک تصوف" پڑ گیا، اور یہ گروہ "گروہ صوفیہ" کہلانے لگا،

اصطلاح "تصوف" کب سے رائج ہوئی ہے؟ اس بحث کا یہاں موقع نہیں، نہ اس لفظ کے اشتقاق اور اس کی تحقیق لغوی کو اس وقت بیان کرنا مقصود ہے، یہاں کہنا صرف یہ ہے کہ اس گروہ کے اکابر قدیم پہلے مسلمان تھے، پھر صوفی، وہ

تصوف کو اسلام کے مقابل ایک جداگانہ مسلک کی حیثیت سے نہیں لاتے تھے، بلکہ اسلام کے ماتحت، اسی کی پاکیزہ ترین صورت کو کہتے تھے، وہ اپنے اسلام کو، اپنے تصوف پر مقدم رکھتے تھے، اور تصوف کو محض اس لیے عزیز و محبوب رکھتے تھے کہ وہ اُن کی نظر میں اسلام کی خالص ترین و پاکیزہ ترین تعبیر تھی،

صفحات آیندہ میں بعض قدیم اکابر صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم کی اصل تصانیف کی مدد سے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک تصوف کا مفہوم محض اس قدر تھا کہ اتباع کتاب و سنت میں انتہائی سعی کیجائے، اسوۂ رسول و صحابہؓ کو دلیل راہ رکھا جائے، اوامر و نواہی کی تعمیل کیجائے، طاعات و عبادات کو مقصود حیات سمجھا جائے، قلب کو محبت و تعلق ما سوا سے الگ کیا جائے، نفس کو خشیت الٰہی سے مغلوب کیا جائے، اور صفائے معاملات و تزکیۂ باطن میں جہد و سعی کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ ہونے پائے،

حضرت شیخ جیلانیؒ بلکہ ان کے مرید با اختصاص اور بانی سلسلہ سہروردیہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ تک کی تصانیف میں یہ اسلامی عنصر قائم، اور یہی رنگ غالب ہے، اس زمانہ کے بعد شیخ ابن عربیؒ کے اثر سے نظام تصوف میں فلسفیانہ عنصر کو غلبہ ہونے لگا، وحدت وجود وغیرہ کے مسائل پیدا ہونے لگے، اور فارسی شاعری کے اثر سے ان تخیلات کو اور تقویت ہوتی گئی، چنانچہ ملا جامی کی لوائح (جیسا کہ آگے چل کر اسی کے تبصرہ کے ذیل میں ظاہر ہوگا) ایک اچھی خاصی فلسفیانہ تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے، تاہم نویں صدی کا یہ تصوف بھی اگرچہ ابتدائی صدیوں کے تصوف سے بہت کچھ منحرف ہو چکا تھا، ان رسم پرستیوں سے کوئی مناسبت

نہیں رکھتا، جس پر آج اکثر خانقاہوں اور درگاہوں میں تصوف کا اطلاق ہوتا ہے،

تصوف کی موجودہ مسخ شدہ شکل یونانی ادہام، ایرانی تخیلات، ہندی فرہنگ اور دیگر غیر اسلامی عناصر کا ایک معجون مرکب ہے، جس کے صرف بعض اجزا اسلامی کہے جا سکتے ہیں، اور وہ بھی بڑی تلاش و دیدہ ریزی کے بعد نظر آتے ہیں، حاشا ثم حاشا یہ اسلامی تصوف نہیں، اسلامی تصوف وہ تھا جو خود حضرت سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، جو ابوبکر صدیقؓ، علی مرتضیٰؓ کا تھا، جو سلمانؓ و ابوذرؓ کا تھا جس کی تعلیم جنید بغدادیؒ و رابعہ بصریؒ نے دی ہے، جس کی ہدایت شیخ جیلانیؒ و شیخ سہروردیؒ و خواجہ اجمیریؒ و محبوبؒ دہلوی، خواجہ نقشبندیؒ و مجدد سرہندیؒ کرتے رہے، اور جس کی دعوت اس دور آخر میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی زبان قلم دیتی رہی،

خواجہ معین الدین اجمیری سلسلۂ چشتیہ کے مسلم مقتدا بزرگ گذرے ہیں ملفوظات مبارک کا مجموعہ دلیل العارفین کے نام سے خواجہ قطب الدین بختیارؒ کا فراہم کیا ہوا شائع ہو چکا ہے، رسالۂ مذکور اول سے آخر تک نماز و عبادات کی تاکید اور اتباع سنت رسولؐ کے فضائل سے لبریز ہے، وضو وغیرہ کے بعض معمولی سنن کی پابندی پر اتنا زور دیا گیا ہے، کہ آج اکثر دن کو فرائض میں اس کا نصف اہتمام بھی نصیب نہیں، اور اس باب میں اس سے بھی زیادہ قابل ذکر بانی سلسلۂ عالیہ قادریہ محبوب سبحانی حضرت شیخ جیلانیؒ کی کتاب غنیۃ الطالبین ہے جو شروع سے آخر تک بجائے کسی درویش و صوفی کے ایک ٹھیٹھ فقیہ اور عالم متشرع کی فقہی تالیف نظر آتی ہے،

سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے ایک اور گوہر درخشاں خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ

دہلویؒ تھے جن کے ملفوظات میں سب سے زیادہ معتبر رسالہ فوائد الفواد مرتبہ (امیر حسن علاء سنجریؒ) اور حالات و سوانح میں رسالہ سیرالاولیاء (مرتبہ میر خوردؒ دہلوی) موجود ہیں، ان رسائل کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:۔

"بندہ را پیش طلبید و فرمود کہ باید کہ مشغول پیوستہ بہ طاعت و عبادت باشی" ص۲۴ (فوائد الفواد مطبوعہ نول کشور)

"حکایت جماعت متحیراں افتاد ۔۔۔۔۔۔ یکے از حاضران حکایت کرد کہ من وقتے جائے رسیدم و ایں چنیں ہفت کس را دیدم دو چشم در آسمان داشتہ، شب و روز متحیر ماندہ، مگر آنکہ وقت نماز درمی آمد، ایشاں نماز می گذاردند و باز ہمچناں متحیر می ماندند، خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ آرے انبیا معصوم اند و اولیا محفوظ ہمچنیں باشد، کہ گفتی، اگرچہ شب و روز متحیر باشند، ما نماز ایشاں فوت نشود" (ص۱۲۱ ایضاً)

"چوں عمر عزیز سلطان المشائخ بہ ہشتاد کشید، پنج وقت نماز بجہت جماعت از بالائے بام جماعتخانہ کہ عمارتے بس رفیع است فرود آمدے، و با درویشاں و عزیزاں کہ دراں جمع ملکوت حاضر می شدند نماز گذاردے" (سیرالاولیاء ص۱۲۴)

اکابر چشتیہ کی ساری زندگیاں، صحیح تصوف اسلامی کا نمونہ تھیں تفصیل کسی مناسب موقع پر بیان ہوگی،

عہد نبوت سے تقریباً ہزار سال گذرنے پر شیخ احمد سرہندیؒ پیدا ہوئے جنھوں نے نہ صرف سلسلۂ نقشبندیہ بلکہ تمام سلاسلِ تصوف میں تجدید و اصلاح

کا صور اس بلند آہنگی کے ساتھ پھونکا کہ اس کی صدائے بازگشت آج تک دنیائے اسلام کے در و دیوار سے آ رہی ہے، شیخ موصوفؒ کے مکتوبات کے ضخیم دفتر ملک میں شائع ہو چکے ہیں، ان میں شروع سے آخر تک مختلف اسلوبوں اور پیرایوں میں صرف ایک ہی دعویٰ کی تکرار، صرف ایک دعوت کا اعادہ ہے، اور وہ یہی ہے کہ صوفیہ کو عقائد و اعمال ہر شئے میں کتاب و سنت ہی کو اپنا دلیل راہ بنانا چاہئے، اور اس کے خلاف جس کسی کے بھی اقوال ہوں انھیں مردود سمجھنا چاہئے، چند اقتباسات ملاحظہ ہوں،

"بدانکہ از جملہ ضروریات طریق مسالک اعتقاد صحیح است کہ علمائے اہل سنت آں را از کتاب و سنت و آثار سلف استنباط فرمودہ اند... ...... واگر بالفرض خلاف آں معانی مفہومہ بکشف و الہام امرے ظاہر شود، آں را اعتبار نہ باید کرد، و از آں استعاذہ باید نمود (مکتوبات مجددی حصہ ۵ ص۲۷ مطبوعہ امرتسر)

شریعت را صورتے است و حقیقتے، صورتش آنست کہ علماء ظواہر بہ بیان آں متکفل اند و حقیقتش آں کہ صوفیہ علیہ بآں ممتاز اند (حصہ ۲ ص۵)

آنچہ بر ما فقیراں لازم است دوام ذل است و افتقار و انکسار و تضرع و التجا، و ادائے وظائف عبودیت و محافظت حدود شرعیہ و متابعت سنت سنیہ (حصہ ۳ ص۵۶)

"ولایت را درجات اند بعضها فوق بعض، زیرا کہ بر قدم ہر نبی

ولایت است مخصوص بآں و اقصاے درجات آں ہماں درجہ ایست کہ بر قدم پیغمبر ماست .... وازیں مقام عزیز الوجود نصیب کامل و حظ وافر حاصل است مکمل تابعان آں سرور ما علیہ الصلوٰۃ والسلام پس لازم گیرید متابعت آنحضرت را صلعم اگر شما یان تحصیل این دولت قصوی تکمیل ایں درجہ علیا متوجہ اید (حصہ اول صـ۱۶۴)

"محمد رسول اللہ محبوب رب العالمین است، ہر چیز کہ خوب مرغوب است از برائے مطلوب و محبوب است لہذا حق سبحانہ تعالیٰ درکلام مجید خود می فرماید، اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ، و نیز می فرماید تعالیٰ و تقدس اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ و نیز فرمودہ تعالیٰ و تقدس، اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ او را علیہ الصلوٰۃ والسلام صراط مستقیم خواندہ و ماسواے او را داخل سبل گردانیدہ و اتباع آں منع فرمودہ ...

...... باطن متمم ظاہرات و مکمل آں، سر موے با یکدگر مخالفت ندارد ...... پس سالکان سبل طریقت و حقیقت را اگر در اثناے راہ اموریکہ بہ ظاہر با شریعت در جنگ اند ظاہر شوند و ظاہر سازند مبنی بر سکر وقت و غلبہ حال است، اگر ازاں مقام گذرانند و بہ صحو آرند آں منافات بالکلیہ مرتفع می شود و آں علوم متضادہ بہ تمام ہبا منثورا می گردند۔" (ایضاً صـ۲ صـ۳۰۲)

مکتوبات مجددی کی ایک ایک سطر اسی تعلیم محمدی سے لبریز ہے، دو

آخر میں یہی دعوت شاہ ولی اللہ دہلوی رحؒ نے اپنی مختلف تصنیفات وصایا، القول الجمیل، حجۃ اللہ البالغہ، فوز الکبیر وغیرہ کے ذریعہ سے پیش کی، ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی ملفوظات، فتاوی و اجزاے تفسیر کے اوراق میں اور آج بھی یہی پیام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ (تھانہ بھون) کے در و دیوار سے مل رہا ہے،

اس رسالہ کو افسوس ہے کہ بعض وجوہ سے بہت مختصر رکھنا پڑا، طبع دوم کی نوبت اگر آئی تو انشاء اللہ چند مزید ابواب کا اضافہ کردیا جائیگا، خدائے پاک و برتر اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور دور حاضر کے مسلمانوں کو صحیح اسلامی تصوف کے سمجھنے اور اس کے اختیار کرنے کی توفیق نصیب کرے،

دریاباد۔ بارہ بنکی

۱۲ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۳ھ

عبدالماجد

کتاب اللمع

(از شیخ ابو النصر سراجؒ)

(۱) مصنف[1]

پورا نام عبداللہ بن علی بن محمد بن یحییٰ ابو النصر سراج تھا، لقب طاؤس الفقراء، وطن طوس تھا، مرقد بھی یہیں ہے، آبا و اجداد زہد میں شہرت رکھتے تھے، کان ابو النصر من اولاد الزھاد (تاریخ الصوفیہ للسلمی)

خود سراج علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے، کان المنظور الیہ فی ناحیتہ فی الفتوۃ ولسان القوم مع الاستظھار بعلم الشریعۃ وھو فقیہ مشائخھم الیوم (ایضاً) "در فنون علم کامل بود" تذکرۃ الاولیاء عطار، ماہ رجب ۳۷۸ھ (اکتوبر یا نومبر ۹۸۸ء) میں حالت نماز میں وفات پائی، ایک روایت مشہور کے مطابق وفات سے قبل فرمایا کہ جس میت کو میرے مزار کے سامنے سے لے کر نکلیں گے اس کی مغفرت ہو جائے گی، صدیوں بعد کے

---

[1] ماخذ:- (۱) تذکرۃ الاولیاء عطارؒ ۲ جلد (مطبوعہ لیدن) (۲) نفحات الانس، جامیؒ (کلکتہ) (۳) سفینۃ الاولیاء، شہزادہ دارا شکوہ (لکھنؤ) (۴) مقدمہ کتاب اللمع پروفیسر نکلسن (لیڈن) کشف المحجوب، شیخ علی ہجویری (لاہور)

تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ طوس میں ابتک یہ دستور چلا آتا ہے کہ ہر جنازہ کو پیشتر ان کے مزار پر لاتے ہیں،

استادوں میں جعفر الخلدی (المتوفی ۳۴۸ھ) ابوبکر محمد بن داؤد الرقی (متوفی ۳۶۰ھ) اور احمد بن محمد سایح کے نام لئے گئے ہیں، بیعت کی روایت ابو محمد مرتعش نیشاپوری سے کی گئی ہے، ان کا سال وفات ۳۲۸ھ ہے، ان کا ذکر تو کتابوں میں کوئی پانچ بار آیا ہے، لیکن ان کے مرشد ہونے کا کہیں اشارہ نہیں، ملاقات سری سقطی اور سہل تستری سے بھی بیان کی گئی ہے اگر اوّل الذکر کا سال وفات ۲۵۳ھ اور آخر الذکر کا ۲۸۳ھ ہے، واللہ اعلم،

تصوف پر متعدد کتابیں تصنیف کیں، ملا جامی کے الفاظ ہیں "وے را تصانیف بسیار است" (نفحات الانس) لیکن آج بجز کتاب اللمع کے اور کوئی بظاہر موجود نہیں، بلکہ ان کے نام تک بھی معلوم نہیں،

تصوف و معرفت میں جو پایہ رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ شیخ فریدالدین عطار جو خود شیخ الکل کا حکم رکھتے ہیں، ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں،

"آں عالم عارف، آں حاکم خائفاں، آں زمرہ کبرا، آں نگین حلقۂ فقرا، آں زبدۂ امشاج، شیخ ابو النصر سراج رحمۃ اللہ علیہ امامے برحق بود و یگانۂ مطلق و متین و متمکن و او را طاؤس الفقرا گفتندے، و صفت و نعت او چندان ست کہ در قلم و بیان آید و یا در عبارت و زبان گنجد و در فنون علم کامل بود و در ریاضت و معاملات شانے عظیم داشت، و در حال و قال

وشرح دادن بہ کلمات مشایخ آیتے بود۔"

ایسے ہی الفاظ جامیؒ وغیرہ بھی لائے ہین،

چند ارشادات و واقعات جو تذکرون مین محفوظ رہ گئے ہین ان سے بھی اہل ذوق ان کے مرتبۂ کمال کو کچھ نہ کچھ تو جان ہی سکتے ہین،

فرماتے تھے عشق اس آگ کا نام ہے جو عاشقون کے دل اور سینہ مین جلتی رہتی ہے، اور اللہ کے سوا جو کچھ ہے، اسے جلا کر خاکستر کر دیتی ہے،

یہ بھی ارشاد تھا کہ بہ لحاظ ادب انسانون کے تین طبقے ہین، ایک طبقہ اہل دنیا کا ہے کہ اس کے نزدیک ادب، فصاحت و بلاغت وحفظ علوم وفنون واسمار ملوک و اشعار عرب کا نام ہے، دوسرا طبقہ اہل دین کا ہے، اس کے نزدیک ادب سے مراد عبادت جوارح وحفاظت حدود و ترک شہوات و ریاضت نفس ہے، تیسرا طبقہ اہل خصوص کا ہے، اس کے ہان ادب سے مفہوم، طہارت قلب، مراعات سر، وفاے عہد، نگہداری وقت، نیکوکرداری اوقات حضور و مقام قرب ہے،

ایک تیسرا ارشاد ہے، اسے اصل فارسی ہی مین سنئے، الفاظ کی نزاکت شاید اردو ترجمہ کی متحمل نہ ہوسکے،

"نسبت بخدا است و از خدا و ہدایت تو ادا ست، و آنانکہ در خانۂ افتد نسبت افتد و اگرچہ بسیار بود آن را مواذنہ نتوان کرد یا نسبتے کہ خدا پدید کرد و بخداے بود۔"

ایک بار ماہ رمضان مین بغداد مین وارد ہوئے اور مسجد شونیزیہ کے ایک حجرہ مین معتکف ہوئے، درویشون نے متفق ہو کر تراویح مین اپنا امام بنایا، ماہ مبارک

کی تراویح میں پانچ بار قرآن مجید ختم کیا، اسی سے ظاہر ہے کہ حافظ قرآن اور تراویح میں سنانے کے عادی تھے، روزانہ افطار کے وقت خادم ایک روٹی حجرہ میں پہنچا آتا تھا، عید کی نماز پڑھا کر بغداد سے روانہ ہو گئے، خادم نے حجرہ میں جا کر دیکھا تو پوری روٹیاں جوں کی توں رکھی ہوئی پائیں، خدا معلوم کیا کھا کر پورا رمضان گزارا،

ایک مرتبہ سردی کے موسم میں شب کے وقت آتشدان کے قریب تشریف فرما تھے، چند اور اہل دل حضرات بھی تھے، گفتگو معرفت الٰہی پر ہو رہی تھی، دفعۃً شیخ پر ذوق کی کیفیت طاری ہوئی، اور جوش میں اکر دہکتی ہوئی آگ میں سجدہ میں گر پڑے مریدین خوفزدہ ہو کر باہر بھاگے، دوسرے روز آئے تو دیکھا کہ چہرہ چاند کی طرح چمک رہا ہے، اور جلنے کا کہیں خفیف داغ تک نہیں، عرض کی، حضور والا یہ کیا ماجرا ہے ہم تو سمجھ رہے تھے کہ سارا چہرہ جل گیا ہوگا، ارشاد ہوا کہ "جس نے درگاہ الٰہی پر اپنی آبرو دیدی، اس کے چہرہ کو آگ نہیں جلا سکتی"

(فارسی فقرہ کی جان لفظ "آبرو" ہے اردو ترجمہ میں اسکا لطف منتقل نہیں ہو سکتا)

تذکروں میں اور روایتیں اس سے بڑھ بڑھ کر لکھی ہوئی ہیں، یہاں صرف دو نقل کر دی گئیں،

شیخ نے معلوم ہوتا ہے سیاحی خوب کی تھی، اور ممالک اسلامیہ کے دور دراز علاقوں کے سفر کر ڈالے تھے، کم از کم اتنے مقامات کے نام تو اسی کتاب میں مل جاتے ہیں، بصرہ، ربذہ، بلخ، بغداد، رملہ، دمشق، الشونیخ، قاہرہ، بیت المقدس، بسطام، تستر، تبریز، گویا حجاز، ایران، عراق، شام، مصر، طرابلس، ایشیائے کوچک کے سفروں میں تو شبہہ ہی نہیں،

تصنیف

یہ علم تو نہیں کہ کتاب کس سنہ میں اور مصنف کے کس سن میں تصنیف ہوئی لیکن مصنف کا سنہ وفات ۳۷۸ھ ہے اس سے ظاہر ہے کہ کتاب چوتھی صدی ہجری کے وسط کی پیداوار ہے اور اس لئے اس کا شمار بجا طور پر تصوف کی قدیم ترین کتابوں میں سے ہے،

آج سے ۲۰ سال قبل دنیا کتاب اللمع کے صرف نام سے آشنا تھی، ۱۹۰۹ء میں کیمبرج یونیورسٹی (انگلستان) کے استاد فارسی اور عاشق کتب تصوف ڈاکٹر نکلسن نے دو قلمی نسخے کھوج نکالے، ایک نسخہ ۶۸۳ھ کا لکھا ہوا اور دوسرا ۵۴۸ھ کا پانچ سال کی دیدہ ریزی کے بعد دونوں نسخوں کا مقابلہ کرکے پروفیسر موصوف نے اصل کتاب کو غایت اہتمام کے ساتھ ۱۹۱۴ء میں شائع کر دیا، اور متعدد مفید اضافے بھی کئے، مثلاً شروع میں مفصل فہرست مضامین، آخر میں مبسوط فہرست رجال و زنان اماکن و قبائل و کتب وغیرہا، اور بہ کثرت حواشی، اور انگریزی میں ملخص ترجمہ وغیرہ،

ان معنوی خصوصیات کے ساتھ کاغذ، طباعت وغیرہ کے حسن ظاہری کے لوازم کو بھی ملحوظ رکھا، اور کتاب لیڈن کے بریل (BRILLE) پریس سے چھاپ کر کے شائع کر دی، کتاب کا پورا نام کتاب اللمع فی التصوف ہے، ملا جامی نے نام کا اندراج کتاب اللمعہ (با عنوان اسم ہونے) درج کیا ہے لیکن اصل کتاب کے نسخوں میں یہی املا ہے کتاب کی ضخامت ۴۳۶ صفحے کی ہے اور ایک مقدمہ اور ۱۲ حصوں میں منقسم ہے،

مقدمہ (صفحہ ۱۔۴) اس قسم کے مباحث پر شامل ہے :-

باب البیان عن علم التصوف،

باب فی نعت طبقات اصحاب الحدیث،

باب الکشف عن اسم الصوفیہ،

باب اثبات علم الباطن،

باب التصوف ما ہو،

باب التوحید وصفۃ الموحد،

ان ضروری تمہیدی اور تعارفی مسائل کے بعد کتاب بالکل صحیح منطقی ترتیب کے ساتھ حسب ذیل حصوں مین تقسیم ہوتی ہے،

(۱) کتاب الاحوال والمقامات (ص ۴۱-۶۱)

"حال" و"مقام" صوفیہ کے ہان کی بڑی اہم اصطلاحین ہین، چنانچہ اس حصہ مین مقامات، احوال اور ان کے حقائق مین سے ہر شے پر الگ الگ، ایک ایک باب مین بحث کی گئی ہے، مثلاً باب مقام التوبہ، باب مقام الورع، باب مقام الزہد، باب مقام الصبر، باب مقام التوکل، باب حال الخوف، باب حال المحبۃ، باب حال الشوق، باب حال البشارۃ وقس علی ہذا،

(۲) کتاب اہل الصفوۃ فی الفہم والاتباع لکتاب اللہ، (ص ۶۲-۹۲)

مبادی کی تشریح کے بعد آغاز کلام قدرۃً کتاب اللہ سے ہوتا ہے اور اس کے تحت مین اس قسم کے ابواب ہین :-

باب الموافقۃ لکتاب اللہ، باب ذکر تفاوت المستمعین خطاب اللہ تعالیٰ، باب وصف اسرار باب القلوب فی فہم القرآن، باب ذکر السابقین، والمقربین

والا برار من طریق الفهم والاستنباط وغیرہا،

(۳) کتاب الاسوۃ والاقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، (ص ۹۳ تا ۱۰۴)

"کتاب" کے معاً بعد "سنت" کا ذکر قدرۃً آنا چاہیئے، اور یہی ہوا، اس کے تحتانی عنوانات اس قبیل کے ہیں،

باب وصف اہل الصفوۃ فی الفہم والموافقۃ والاتباع للنبی صلعم، باب ما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اخلاقہ وافعالہ واحوالہ التی اختارہا اللہ تعالیٰ، باب ما ذکر عن المشائخ فی اتباعہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وتخصیصہم فی ذالک وغیرہا،

(۴) کتاب المستنبطات (ص ۱۰۵ تا ص ۱۱۸)

قرآن وحدیث یا کتاب وسنت کے نصوص کے بعد ایک مومن کیلیئے ترتیباً اب ان احکام وشعائر کا ذکر آنا چاہیئے، جو انہی پر مبنی، متفرع یا انہی سے ماخوذ و مستنبط ہوں، چنانچہ عین اسی فطری ترتیب کے مطابق چوتھے نمبر پر یہ حصہ ہے، اس کے ذیل میں اسی قسم کے مباحث مندرج ہیں،

باب مذہب اہل الصفوۃ فی المستنبطات الصحیحۃ فی فہم القرآن والحدیث، باب فی کیفیۃ الاختلاف فی مستنبطات اہل الحقیقۃ فی معنی علومہم واحوالہم، باب فی مستنبطاتہم فی معانی اخبار مرویۃ عن رسول اللہ صلعم من طریق الاستنباط والفہم وغیرہا،

(۵) کتاب الصحابۃ رضوان اللہ علیہم، (ص ۱۱۹ تا ۱۲۰)

رسول کے بعد ایک مومن کے لئے مقدس ترین ہستیاں صحابہ کرام رض کی ہیں، اور قدیم صوفیہ کرام سنت نبوی کے بعد آثار صحابہ ہی کو اپنے لئے دلیل راہ جانتے تھے

اس لئے قدرۃً ایک مستقل حصہ اُن کی نذر ہے، اس کے ذیلی ابواب میں خلفائے اربعہؓ پر، اصحابِ صفہ پر، عام صحابہؓ پر، سب پر الگ الگ گفتگو ہے، اور حضرت صدیقؓ کا تذکرہ تخصیص و تفصیل دونوں کے ساتھ ہے۔

(۶) کتاب آداب المتصوفہ (ص ۱۴۱-۲۱۰)

اس کے تحتانی ابواب کے چند عنوانات یہ ہیں:

باب ذکر آدابھم فی الوضوء والطہارۃ، باب ذکر آدابھم فی الزکوٰۃ والصدقات، باب فی ذکر الصوم وآدابھم فیہ، باب ذکر آدابھم فی الحج، باب ذکر آدابھم عند مجالسۃ العلم، باب ذکر من آدابھم فی وقت الطعام، باب فی ذکر آدابھم فی وقت السماع والوجود، باب فی ذکر آدابھم فی اللباس، باب فی ذکر آدابھم عند الموت۔

یہ حصہ کتاب کے طویل ترین حصوں میں سے ہے، اور اس میں صوفیہ کے تمام آداب زندگی سے موت تک ہر ہر شغل اور وقت کے درج ہیں۔

(۷) کتاب المسائل واختلاف اقاویلہم فی الاجوبۃ (ص ۲۱۱-۲۳۱)

اس حصہ میں صوفیۂ کرام کی زبان سے ان سوالات کے جوابات دیئے ہیں جن کا حل کرنا عقبا، اور علمائے ظاہر کے لئے دشوار ہے، مثلاً جمع و تفرقہ، فنا و بقا، مسئلہ صدق، مسئلۂ اخلاص، مسئلہ روح۔

اس حصہ کو مختلف ابواب میں تقسیم نہیں کیا ہے، بیان مسلسل ہے۔

(۸) کتاب المکاتبات والصدور والاشعار والدعوات الرسائل (ص ۲۳۲-۲۶۶)

اس حصہ میں جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، حضرات صوفیہ کے مکتوبات رسائل

اشعار، دعوات و وصایا کا ذکر کیا ہے، اور ہر ایک کو ایک ایک علیحدہ باب میں لکھا ہے

(۹) کتاب السماع (صفحہ ۲۶۷-۲۹۹)

صوفیہ اور علماء ظاہر کے درمیان اور خود صوفیہ میں باہم ایک اہم اختلافی موضوع مسئلہ سماع ہے، یہ حصہ اسی مسئلہ کی توضیح و تشریح کے لئے وقف ہے اس کے ماتحت چند عنوانات یہ ہیں:-

باب فی حسن الصوت والسماع وتفاوت المستمعین، باب فی وصف سماع العامة واباحة ذالک، باب فی وصف سماع الخاصة وتفاضلھم فی ذالک، باب فی ذکر طبقات المستمعین، باب فی وصف سماع المریدین والمبتدئین، باب فی وصف نفوس الخصوص و اھل الکمال فی السماع،

(۱۰) کتاب الوجد (صفحہ ۳۰۰-۳۱۴)

وجد و حال بھی تصوف کا ایک جزو شرع سے سمجھا گیا ہے، اس حصہ کے مباحث کا اندازہ ابواب تحتانی کے ان عنوانات سے ہوگا:-

باب فی ذکر اختلافھم فی ماھیة الوجد، باب فی صفات الواجدین، باب فی ذکر تواجد المشائخ الصادقین، باب فی الواجد الساکن الواجد المتحرک

(۱۱) کتاب اثبات الآیات والکرامات (صفحہ ۳۱۵-۳۳۲)

کرامات اولیاء کا صحیح مفہوم، ان کے اثبات کے دلائل، معجزات انبیاء سے اُن کا فرق، یہ سب مباحث بھی ضروری تھے، اور وہ اس حصہ میں آگئے، عنوانات ابواب کا نمونہ یہ ہے:-

باب فی معانی الآیات والکرامات، باب فی الادلۃ علی اثبات الکرامات للاولیاء
باب فی ذکر مقامات اھل الخصوص فی الکرامات،

(۱۲) کتاب البیان عن المشکلات (ص ۳۳۳-۳۴۳)

اس حصہ مین کل دو باب ہین، پہلے باب مین ان الفاظ کو جمع کر دیا ہے، جو صوفیہ کی زبان مین مخصوص اصطلاحی معنی رکھتے ہین، مثلاً حال، مقام، مکان، وقت، مشاہدہ سر، کشف، فنا، بقا، توحید، تجرید وغیرہا، اور دوسرے باب مین ان اصطلاحات کی تشریح کی ہے،

(۱۳) کتاب تفسیر الشطحیات والکلمات التی ظاہرہا مستشنع وباطنہا صحیح مستقیم (ص ۳۷۵-۴۴۴)

یہ کتاب کا آخری حصہ ہے، جو حصہ ہفتم کی طرح پوری طرح تفصیل سے لکھا گیا ہے، اس مین شطحیات صوفیہ کی توجیہہ وتوضیح ہے، نیز ان غلط فہمیون کی اصلاح جن مین اکثر علماے ظاہر وصوفیۂ ناقص مبتلا رہتے ہین، چند ابواب کے عنوانات یہ ہین،

باب فی معنی الشطح، باب تفسیر العلوم وبیان ما یشکل علی فہم العلماء من علوم الخاصۃ وتصحیح ذلک بالحجۃ، باب فی کلمات شطحیات تحکی عن ابی یزید، باب فی ذکر ابی الحسن النوری، باب فی ذکر من غلط فی الاحوال باب فی ذکر من غلط فی فناء البشریۃ، باب فی ذکر من غلط فی الانوار باب فی ذکر من غلط فی الروح، وغیرہا،

عنوانات ہی پر ایک سرسری نظر کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ تصوف سے

متعلق جتنے ضروری پہلو نکل سکتے ہیں مصنف نے ان میں سے کسی کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا ہے، ہر ضروری شعبہ کو لیا ہے، اور اس پر تفصیل و تحقیق سے گفتگو کی ہے، زبان و انداز بیان میں بھی خاص سلاست و سادگی ہے، یہاں تک کہ جو راقم سطور کی طرح) عربی زبان میں مبتدی ہیں، وہ بھی مطالب کتاب سے مستفید ہو سکتے ہیں

اب ذیل میں کتاب کے مختلف مقامات سے اقتباسات دئے جاتے ہیں جن سے مرتبۂ تصنیف اور نوعیت مسائل دونوں کا پورا اندازہ ہو سکے گا،

پہلا سوال ایک غیر صوفی کے دل میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ تصوف آخر ہے کیا شے؟ اور اسلام نے آیا تصوف اور صوفیہ کا کوئی مرتبہ تسلیم کیا ہے؟ حضرت مصنف اس کے جواب میں قرآن مجید کی آیت شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ (آل عمران، آیت ۹۸) پیش فرما کر لکھتے ہیں،

ذکر اللہ تعالیٰ افضل المومنین	اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین سے بلند
عندہ درجۃ واعلاهم فی	و برتر مرتبہ ان کا رکھا ہے جو اولی العلم
الذین رتبۃ فذکرهم بعد	اور قائمین بالقسط ہیں، اور ملائکہ کے
ملٰئکتہ وشهد علی شهادتهم له	بعد انہی کی شہادت پیش کی ہے، چنانچہ
بالوحدانیۃ بعد ما بدأ عز	فرمایا، شهد اللہ الخ اور سرور کائنات
بنفسه وثنّی ملائکته فقال عز وجل	صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی علماء
شهد اللہ انه لا الٰه الا هو	کو جانشین انبیاء ارشاد فرمایا
والملٰئکۃ واولو العلم قائما	ہے، سو یہ القاب میرے خیال
بالقسط وروی عن النبی صلعم	میں ان لوگوں کے حق میں وارد

انه قال العلماء ورثة الانبیاء وعندی واللہ اعلم ان اولی العلم القائمین بالقسط الذین هم ورثة الانبیاء هم المعتصمون بکتاب اللہ تعالی المجتهدون فی متابعة رسول اللہ صلعم المقتدون بالصحابة والتابعین السالکون سبیل اولیاءہ المتقین وعبادہ الصالحین هم ثلثة اصناف اصحاب الحدیث والفقهاء والصوفیة فهؤلاء الثلثة الاصناف من اولی العلم القائمین بالقسط الذین هم ورثة الانبیاء (صف)

ہوئے ہیں، جو کتاب اللہ کا سررشتہ مضبوط تھامنے والے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے پورے کوشاں اور صحابہ اور تابعین کے نقش قدم پر چلنے والے اور اللہ کے اولیاء متقین وصالحین کی راہ اختیار کرنے والے ہیں، اور ایسے اشخاص کو طبقات سہ گانہ میں رکھا جا سکتا ہے، ایک طبقہ ارباب حدیث کا ہے، دوسرا فقہا کا، اور تیسرا صوفیہ کا بس یہی طبقات سہ گانہ اولو العلم اور قائم بالقسط کہے جانے کے مستحق ہیں، جو انبیاء کے جانشین ہوتے ہیں۔

بہت سے امور تو صوفیہ اور محدثین وفقہا کے درمیان مشترک ہی ہوتے ہیں، جو عقائد ان کے ہوتے ہیں وہی ان کے بھی کتاب اللہ اور سنت نبوی کی پیروی یہ اور وہ دونوں اپنے لئے واجب سمجھتے ہیں، علوم وفنون سے جس طرح وہ کام لیتے ہیں یہ بھی کام لیتے ہیں، وقس علی ہذا،

ثم انهم من بعد ذالک

(لیکن اس اشتراک کے بعد صوفیہ

ارتقوا الى درجات عالية وتحققوا باحوال شريفة و منازل رفيعة من انواع العبادات وحقائق الطاعات والاخلاق الجميلة ولهم في معاني ذالك تخصيص ليس لغيرهم من العلماء والفقهاء واصحاب الحديث

انواع عبادات، حقایق طاعات اور اخلاق جمیلہ سے جن درجات عالیہ اور منازل رفیعہ کو طے کرنے لگے ہیں، وہاں تک علما ظاہری اور فقہا اور اصحاب حدیث کی رسائی بھی نہیں ہو سکتی، (صفحہ ۱۱)

صوفیہ کے امتیازی خصوصیات جن میں دوسرے طبقات ان کے ساتھ شریک نہیں، اُن میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی توحید بالکل خالص ہوتی ہے، غیر اللہ سے وہ کسی صورت بھی دل نہیں لگاتے اُن کی لو صرف اللہ سے لگی رہتی ہے،

اول شئ من الخصيصات للصوفية ..... ترك ما لا يعنيهم وقطع كل علاقة تحول بينهم وبين مطلوبهم ومقصودهم اذ ليس لهم مطلوب ولا مقصود غير الله تعالى (ص ۱۲)

صوفیہ کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ ہی پر نظر رکھتے ہیں، انکا مطلوب و مقصود تمامتر اللہ ہی ہوتا ہے، ما سوا اور لا یعنی مشغلوں سے اُنھیں کوئی واسطہ نہیں،

اس کا لازمی اثر اُن کی عملی زندگی پر یہ پڑتا ہے کہ

فمن ذالك القناعة بقليل الدنيا

قناعت کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں،

عن كثيرها والاكتفاء بالقوت
الذي لابد منه والاختصار
على ما لا بد منه من مهنة الدنيا
من الملبوس والمفروش
والماكول وغير ذالك واختيار
الفقر على الغنا واختيار معانقة القلة
ومجانبة الكثرة وايثار الجوع
على الشبع والقليل على الكثير
وترك العلو والترفع و
بذل الجاه والشفقة على الخلق
والتواضع للصغير والكبير (ص۱۱)

قلیل کو کثیر پر ترجیح دیتے ہیں غذا،
لباس اور ہر قسم کے سامان دنیوی
سے صرف مایحتاج کو اختیار کرتے
ہیں بجائے تونگری کے تنگدستی،
بجائے سیری کے گرسنگی، بجائے
افراط کے قلت، بجائے جاہ و ترفع
کے تواضع وانکسار، ہر چھوٹے بڑے
کے مقابلہ میں اپنے لئے وہ
پسند کرتے ہیں،

اس کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے؟ اور یہ ہوتا ہے کہ

حسن الظن بالله والاخلاص
في المسابقة الى الطاعات
والمسارعة الى جميع الخيرات
والتوجه الى الله تعالى
والانقطاع اليه والعكوف على
بابه والرضا عن قضائه
والصبر على دوام المجاهدة

اللہ سے حسن ظن رکھتے ہیں،
تمام علائق و اسباب سے قطع نظر
کر کے صرف اس پر تکیہ رکھتے
ہیں، نیکیوں اور طاعتوں
کی جانب خلوص نیت کے ساتھ
پیش قدمی و تیز روی کرتے رہتے
ہیں، بلاءِ الٰہی پر صابر اور

ومخالفة الھوی ومجانبة حظوظ النفس والمخالفة لھا اذ وصفھا اللہ تعالیٰ اما رۃ بالسوء والنظر لھا بانھا اعدی عدوک التی بین جنبیک کما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۱۱۔۱۲)

قضاء الٰہی پر راضی رہتے ہیں، محبتہ اور مخالفت خواہش نفس میں مشغول رہتے ہیں اور اسکو یاد رکھتے ہیں کہ کلام پاک میں نفس کو امارہ بالسوء سے تعبیر کیا گیا ہے، اور حدیث نبوی میں ارشاد ہوا ہے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔

غرض ان کے تمام اوصاف و اخلاق سنت نبویؐ و آثار صحابہؓ کی مطابقت میں ہوتے ہیں، اور گویا سب سے بڑا صوفی وہ ہے، جو سب سے زیادہ اہل القرآن اور متبع سنت ہے۔

——— ہمارے زمانہ کے مشائخ، پیرزادوں، گدی نشینوں، صاحبان سجادہ کے رئیسانہ و شاہانہ طرز معاشرت کو اس صحیح درویشی اور فقیری سے کوئی نسبت ہی؟

منکرین تصوف کا ایک گروہ کہتا ہے کہ قرآن اور احادیث نبوی کے سارے دفتر میں نہ کہیں تصوف کا ذکر آیا ہے نہ کہیں گروہ صوفیہ کا، اس لئے اس مسلک کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا، لیکن حضرت مصنف جس تصوف کے قائل ہیں اس کے تذکرہ سے تو کلام مجید بھرا پڑا ہے، فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں ایسے الفاظ و عبارات بہ کثرت آئے ہیں، جن سے مراد اہل تصوف ہی ہیں، مثلاً صادقین و صادقات، قانتین و قانتات، خاشعین، موقنین، مخلصین، محسنین، خائفین وجلین، عابدین، ذاکرین، صابرین، سائحین، متوکلین، مخبتین، اولیاء، مصطفین، ابرار، مقربین، سابقین، مقتصدین، مسارعین الی الخیرات

مشاہدین (مثلاً اس آیت میں او القی السمع وھو شھید) اور مطمئنین (مثلاً اس آیت میں الا بذکر اللہ تطمئن القلوب)

اسی طرح متعدد حدیثوں میں اس طبقہ کی جانب اشارے صراحت کی حد تک ملتے ہیں، مثلاً:-

ان من امتی مکلمون و محدثون وان عمر منھم،	(صحیح بخاری)	میری امت میں ایسے لوگ بھی ہونگے جو مکالمہ (الٰہی) اور گفتگوئے (الٰہی) سے سرفراز کئے جائیں گے، اور عمر
یدخل بشفاعۃ رجل من امتی الجنۃ مثل ربیعۃ و مضر یقال لہ اویس قرنی	[illegible]	میری امت میں ایک شخص ایسا بھی ہوگا جس کی شفاعت سے لوگ جنت میں قبیلہ ربیعہ و مضر کی طرح (یعنی بہت کثرت سے) داخل کئے جائیں گے

معترضین کا ایک گروہ کہتا ہے، کہ عہد رسالت میں کوئی شخص صوفی کے لقب سے نہیں یاد کیا جاتا تھا، یہ اصطلاح بہت بعد کو ایجاد ہوئی ہے، اس لئے اس کو کوئی مذہبی وقعت نہیں دی جاسکتی۔

مصنف نے اس کا معقول اور دلچسپ جواب یہ دیا ہے کہ

فنقول وباللہ التوفیق الصحبۃ مع رسول اللہ صلعم لہا حرمۃ وتخصیص من شملہ ذالک فلا یجوز ان تعلق علیہ	اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی دوسرا تعظیمی لفظ مستعمل ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے کہ ان کے جتنے بھی فضائل تھے سب سے اشرف و اعظم

اسم علی انہ اشرف من الصحبۃ و
ذاک بشرف رسول اللہ صلعم
وحرمتہ الا تری انہم ائمۃ
الزھاد والعباد والمتوکلین
والفقراء والراضین الصابرین
والمخبتین وغیر ذالک وما نالوا
جمیع ما نالوا الا ببرکۃ الصحبۃ مع
رسول اللہ صلعم فلما نسبوا
الی الصحبۃ التی ھی اجل الاحوال
لم یجز ان یفضلوا بفضیلۃ غیر الصحبۃ
التی ھی اجل الاحوال (ص ۲۲)

ان کی فضیلت صحابیت تھی کہ
صحبت رسول تمام بزرگیوں اور
فضیلتوں سے بڑھ کر ہے، انکا
زہد، فقر، توکل، عبادات، صبر
ورضا غرض جو کچھ بھی ان کے فضائل
تھے ان سب پر ان کا شرف
صحابیت غالب تھا، پس جب
کسی کو لفظ صحابی سے ملقب
کر دیا گیا تو اس کے فضائل کی انتہا ہو گئی
اور کوئی محل ہی باقی نہیں رہا کہ اسے
صوفی یا کسی دوسرے تعظیمی لفظ سے

رہا یہ اعتراض کہ یہ اصطلاح بغدادیوں کی رائج کی ہوئی متاخرین کی اختراع ہے، تو مصنف محقق کی تحقیق میں یہ قول بالکل غلط ہے، اسلئے کہ

لان فی وقت الحسن البصری
رحمۃ اللہ علیہ کان یعرف
ھذا الاسم وکان الحسن
قد ادرک جماعۃ من اصحاب
رسول اللہ صلعم

یہ لفظ حسن بصری کے زمانہ میں
رائج تھا، اور ان کا زمانہ بعض
صحابیوں سے معاصرت کا تھا
چنانچہ ان کے اور سفیان ثوری
کے اقوال میں یہ لفظ صوفی استعمال ہوا ہے

بلکہ کتاب اخبار مکہ میں جو روایت محمد بن اسحٰق بن یسار وغیرہ سے ہے اس

تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ عہد اسلام سے پیشتر ہی معروف تھا اور عابد و برگزیدہ اشخاص کے لئے مستعمل تھا (ص ۲۲)

آج جو مشائخ طریقت قیود شریعت سے آزاد رہنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں، انھیں یہ سن کر مایوسی ہوگی اور شاید حیرت بھی، کہ قدما رصوفیہ کے نزدیک طریقت و شریعت میں تخالف مطلق نہ تھا، بلکہ شریعت ہی کی تکمیل و اتمام کا نام طریقت تھا، حضرت مولف فرماتے ہیں، کہ علم کی دو قسمیں ہیں، ظاہری و باطنی، جب تک اس کا تعلق زبان و اعضا سے ہے اسے علم ظاہری سے تعبیر کریں گے، اور اس کا نام علم شریعت ہے؛ مثلاً عبادات میں طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ، یا احکام میں طلاق، فرائض قصاص وغیرہ، جب اس کا اثر ظاہر سے گذر کر قلب و باطن تک محیط ہو جاتا ہی، تو اسی کو علم باطن یا طریقت سے موسوم کر دیتے ہیں، اور یہاں عبادات و احکام کے بجائے مقامات و احوال کی اصطلاحیں رائج ہیں، مثلاً تصدیق، اخلاص، صبر، تقویٰ، توکل، محبت، شوق وغیرہ، اور اس تفریق دوگانہ کی سند قرآن مجید سے ملتی ہے، ارشاد ہوا ہے کہ

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً	اس نے اپنی نعمتیں تمھارے اوپر
وَّبَاطِنَةً (لقمان، آیت ۲۰)	پوری کیں، ظاہری بھی اور باطنی بھی

دنیا میں ہر موجود کا ایک پہلو ظاہری ہی اور ایک باطنی چنانچہ قرآن کا بھی ایک ظاہر ہی ایک باطن حدیث بھی ایک ظاہر ہی ایک باطن، کتاب اللہ و سنت رسول کے اسی باطنی پہلو کا نام طریقت ہے، طریقت کتاب اللہ اور سنت رسول سے الگ کوئی شے نہیں، بلکہ انہی کے مغز و باطن کا نام ہے، (صفحہ ۲۴، ۲۵)

لفظ تصوف اور صوفی کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں مولف علام نے

نے مختلف اقوال نقل کردیئے ہیں، ایک قول یہ ہو کہ صوفی دراصل صفوی تھا، یہ لفظ ذرا ثقیل تھا، کثرتِ استعمال سے زبانوں پر صوفی رہ گیا،

ابوالحسن قنادؒ کا خیال تھا کہ صوفی صفا سے مشتق ہے، اور اس کا اطلاق اہل صفا پر ہوتا ہے، ایک اور بزرگ کا مقولہ ہے کہ جو لوگ کدورت بشریت سے پاک و صاف کردیئے گئے وہ صوفی کہلانے لگے، ایک اور بزرگ کی رائے میں ان لوگوں کا لباس انبیاء علیہم السلام کی تقلید میں صوف (پشمینہ) کا ہوتا تھا، اس لئے یہ صوفی کہلائے، ایک اور گروہ اس طرف گیا ہے کہ اصحابِ صفہؓ کے باقیات صالحات صوفی کے لقب سے موسوم ہوئے، وقس علی ھذا،

حضرت جنیدؒ فرماتے تھے کہ ہمارا یہ سارا علم احادیث نبوی کا نچوڑ ہے، قرآن میں اتباع سنت نبوی کا حکم صاف الفاظ میں آیا ہے، وَاِنْ تطیعوا تھتدوا (نور آیت ۵۴) ابوعثمان سعید الحیری کا مقولہ تھا کہ جو شخص سنت نبوی کو قولاً و فعلاً اپنے اوپر حاکم بنائے، اس کی بات ہمیشہ حکمت سے لبریز نکلے گی، حضرت بایزید بسطامی نے اللہ سے دعا کرنی چاہی کہ گرسنگی اور شہوت کی آفت سے ہمیشہ محفوظ رہیں، کہ معاً انھیں یہ خیال آگیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے ایسی دعا نہیں کی تو میں کیونکر کرسکتا ہوں، یہ خیال کرکے وہ اس دعا سے باز رہے، اس احترام رتبۂ رسالت کا صلہ انھیں یہ ملا کہ عورت کی خواہش ہی اُن کے دل سے جاتی رہی، ذوالنون مصریؒ کا قول تھا کہ اللہ کو تو میں نے اللہ کے ذریعہ سے پہچانا، باقی اور سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے، سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے تھے کہ جس وجد کی شہادت کتاب اللہ و سنت رسول نہ دیں وہ باطل ہے، اور اسی کے قریب قول

ابو عثمان دارانی کا ہے، حضرت شبلیؒ مرض الموت میں مبتلا تھے، نزع کا وقت تھا، گویائی کی قوت جواب دے چکی تھی، ایک خادم وضو کرا رہا تھا، ڈاڑھی میں خلال کرانا بھول گیا، شبلیؒ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر داڑھی میں خلال کرائی کہ سنت رسول کا کوئی جزو فرو گذاشت نہ ہونے پائے ـــــ صوفیہ متقدمین کے یہ سارے اقوال واعمال ایک مستقل باب میں جمع ہیں (صفحہ ۱۰۳ – ۱۰۴)

مسائل تصوف، مسائل فقہ کی طرح تمامتر کتاب اللہ و سنت رسولؐ ہی سے مستنبط و ماخوذ ہوتے ہیں، اس استنباط کا طریقہ اور اس کی کیفیت جو مصنف علام نے بیان کی ہے، اور اس قابل ہے کہ اُسے بجنسہٖ نقل کر دیا جائے، ترجمہ صرف خلاصۃً درج کیا جائیگا:-

المستنبطات ما استنبط اهل الفهم	استنباط کا حق ان محققین وارباب فہم
من المحققين بالموافقة لكتاب	کو پہونچتا ہے جو ظاہر و باطن ہر
الله عز وجل ظاهراً وباطناً	طرح کتاب اللہ و سنت رسول کے
والمتابعة لرسول الله	متبع ہوتے ہیں، یہ لوگ جب عمر
صلعم ظاهراً وباطناً والعمل	تک اپنے علم و معلومات کے مطابق
بهما بظواهرهم وبواطنهم	عمل کرتے رہتے ہیں، تو اللہ انھیں
فلما عملوا بما علموا من ذلك	وہ علم بھی دیدیتا ہے جو پیشتر
ورثهم الله تعالى علم ما لم	انھیں نہ تھا، اور یہ علم انہی
يعلموا وهو علم الاشارة	کے ساتھ مخصوص رہتا ہے، وہ
وعلم مواريث الاعمال	ان کے نفوس میں تزکیہ اور

التی یکشف اللہ تعالی لقلوب
اصفیائہ من المعانی المذخورۃ
واللطائف واسرار المخزونۃ
وغرائب العلوم وطرائف
الحکم فی معانی القرآن و
معانی اخبار رسول اللہ صلعم
من حیث احوالھم واوقاتھم
وصفاء اذکارھم قال اللہ تعالی
"افلا یتدبرون القرآن ام
علی قلوب اقفالھا" وقال النبی
صلعم من عمل بما علم ورثہ
اللہ تعالی اعلم ما لم یعلم
وھو العلم الذی لیس لغیرھم
ذالک من اھل العلم واقفال
القلوب ما یقع علی القلوب
من الصدأ لکثرۃ الذنوب
اتباع الھوی ومحبۃ الدنیا
وطول الغفلۃ وشدۃ الحرص
وحب الراحۃ وحب الثناء

اور قلوب میں جلا پیدا کرتا
ہے، اور کثرت معاصی وشہوات
حب جاہ، حرص، طمع، خود پسندی
وغیرہ سے جو زنگ الواح قلب
پر جما ہوتا ہے، وہ دھل جاتا ہے
اس وقت ان پر اسرار غیب
منکشف ہو جاتے ہیں، اور
ان کی زبانیں حقائق عالیہ کی
ترجمانی کرنے لگتی ہیں،

والحمد لا وغير ذالك من
الغفلات والزلات و
المخالفة والخيانات واذا كشف
الله تعالى ذلك عن القلوب
بصدق التوبة والندم
على الحوبة فقد فتح الاقفال
عن القلوب واتته الزوايد
والفوايد من الغيوب فيعبر
عن زوائدك و فوائدك بتراجمه
وهو اللسان الذى ينطق
بغرائب الحكم وغرائب العلم فاذا اسرحوا
هذه النقط المريدون
والقاصدون والطالبون
من تلك الجواهر باذان
واعية وقلوب حاضرة
فعاشوا وانتفعوا بذلك
وانتعشوا (صفحہ ۱۰۵-۱۰۶)

اس کے بعد مصنف علام قرآن مجید کی اس آیت واذا جاءهم امر
من الامن او الخوف اذاعوا به ولو ردوه الى الرسول والى اولى الامر

منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم سے یہ لطیف استدلال کرتے ہیں کہ اولی الامر یا اہل علم وہ ہیں جو حقائق دین کے جاننے والے ہیں، اور ان کے طبقہ میں بھی جنھیں امتیازی خصوصیت حاصل ہے وہ اہل استنباط ہیں،

اسوۂ رسول ؐ کے بعد حضرات صوفیہ کے نزدیک سب سے زیادہ مہتم بالشان اسوۂ صحابہ ہے، اللمع کی کتاب الصحابہ ان کے اسی اعتقاد کی تفسیر ہے، صحابہ رض کی عام مدح وتکریم کے بعد اس باب کی پہلی فصل کا آغاز حضرت صدیق کی ذات سے ہوتا ہے جو اعظم الخوف واعظم الرجا تھے، یعنی اللہ سے ڈرتے بھی بیحد تھے، اور اس کی رحمت کے امیدوار بھی بیحد رہتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ

لو نادی منادٍ من السمآء انہ	اگر آسمان سے یہ ندا آئے کہ جنت
لن یلج الجنۃ الا رجل واحد	میں بجز ایک شخص کے اور کوئی
لرجوت ان اکون انا ھو ولو	داخل نہ ہوگا تو مجھے تو یہ امید پڑ
نادی منادٍ من السمآء انہ	جائے گی، کہ وہ میں ہی ہونگا اور
لا یدخل النار الا رجل	اگر آسمان سے یہ ندا آئے کہ بجز
واحد لخفت ان اکون انا ھو	ایک کے کوئی دوزخ میں نہ ڈالا
(صفحہ ۱۲۱)	جائیگا تو میں اپنے ہی لئے ڈرونگا

ابو العباس بن عطاؒ سے جب آیہ کریمہ کونوا ربانیین کے معنی دریافت کیے گئے تو انھوں نے کہا کہ ابوبکر رض کے مانند ہو جاؤ، حضرت صدیق ہی وہ شخص تھے جنھوں نے سارا مال واسباب لاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر کردیا اور جب آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑا؟ تو برجستہ جواب دیا کہ اللہ اور

رسول کو، سراج کہتے ہیں کہ یہ فقرہ توحید کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا، اور سب سے پہلا صوفیانہ ارشاد تھا، جو انسانی زبان سے ادا ہوا،

حضرت صدیق رضی کی سب سے بڑی خصوصیات الہام و فراست تھیں، اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی کی نمایاں خصوصیات ترک شہوات، اجتناب شبہات اور تمسک بالحق تھیں، حضرت عثمان رضی کی اہم خصوصیات تمکین، ثبات و استقامت تھیں، حضرت علی رضی اکثر سلاسل تصوف کے شیخ الشیوخ ہیں، آپ علم لدنی کے سب سے بڑے حصہ دار تھے، یہ وہی علم لدنی ہے جو حضرت خضر کو عطا ہوا تھا، وعلمناہ من لدنا علما اور اسی کی بنا پر آپنے حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر سے کہدیا تھا کہ آپ صبر کے ساتھ میری رفاقت نہ کرسکیں گے۔ انک لن تستطیع معی صبرا، اور یہیں سے بعض لوگوں نے غلطی سے ولایت کو نبوت سے افضل قرار دے لیا ہے، حضرت علی رضی مراتب توحید، معرفت، ایمان، علم میں کامل ترین تھے ——— اور ان چاروں اصحاب رسول ص کے آثار قدیم صوفیہ کے لئے دلیل راہ ہیں،

خلفاء اربعہ کے بعد ذکر قدرۃً اصحاب صفہ کا آتا ہے، ان کی زندگی کا ایک ایک جزء طالبان طریقت کے لئے درس ہدایت ہے، یہ مقدس گروہ، معاش دنیوی کی راہوں سے بیگانہ، بس شمع نبوت کے گرد پروانہ وار نثار رہتا تھا، ان کے ہاں نہ کھانے کا سامان رہتا تھا نہ اوڑھنے پہننے کا، اور ان کی زندگی فقر و فاقہ کے ساتھ تمام تر توکل و صبر اور عشق و محبت کا ایک تسلسل تھی، اس جماعت کی مدح خود متعدد آیات قرآنی میں آئی ہے، مثلاً

للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ (بقر۔ آیت ۲۷۳)

ولا تطرد الذین یدعون ربھم (انعام۔ آیت ۵۲)

اس حصہ کی آخری فصل میں عام صحابہؓ کی زندگی پر تصوفانہ حیثیت سے نظر کی گئی ہے اور ان کے اقوال و آثار کو صوفیہ کے لئے شمع ہدایت کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، اصحاب ذیل کے اسمائے مبارک اس حیثیت سے خاص طور پر قابل توجہ ہیں :-

طلحہؓ بن عبید اللہ، معاذؓ بن جبل، عمرانؓ بن حصین، سلمانؓ فارسی، ابوالدرداءؓ، ابو ذرؓ غفاری، ابو عبیدہؓ بن الجراح، عبداللہؓ بن مسعود، براءؓ بن مالک، عبداللہؓ بن عباس، کعبؓ احبار، حارثہؓ، ابو ہریرہؓ، انسؓ بن مالک، عبداللہؓ بن عمر، حذیفہؓ بن الیمان، عبداللہؓ بن جحش، اسامہؓ، بلالؓ، مصعبؓ بن عمیر، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حاکمؓ بن حزام، عبداللہؓ بن رواحہ، عدیؓ بن حاتم رضی اللہ عنہم اجمعین،

حضرت سراجؒ اکابر صوفیہ کے آداب و معمولات بیان کرنے کے بعد زور ضرورت مرشد پر دیتے ہیں، اور اس ضمن میں گہرے گہرے خیالات کا اظہار فرماتے ہیں مبتدیوں کے ایک گروہ کا خیال یہ ہوتا ہے کہ حصول مقصد کے لئے بہترین ذریعہ مخالفت نفس کا ہے، چنانچہ اپنی تجویز سے طرح طرح کے مجاہدے اپنے لئے اختیار کر لیتے ہیں، کبھی غذا بہت گھٹا دیتے ہیں، لذیذ غذائیں بالکل ترک کر دیتے ہیں، کبھی پانی پینا چھوڑ دیتے ہیں، کبھی آبادی سے نکل جنگل میں رہنا شروع کر دیتے ہیں، وقس علی ہذا، حضرت سراجؒ فرماتے ہیں کہ جب تک مرشد یا شیخ اس قسم کے احکام نہ دے، انھیں اپنی رائے سے اختیار کر لینا قطعاً غیر مفید رہے گا بلکہ اندیشہ مضرت کا ہے، مثلاً ترک غذا کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان فرائض یومیہ نماز پنجگانہ وغیرہ پوری طرح نہ ادا کر سکے گا، نفس امارہ کو زیر کر لینا اتنا آسان نہیں کہ بغیر ارشاد

کامل کی توجہ کے' انسان تن تنہا یہ ہفتخواں طے کرلے جائے' خود رائی اس راہ میں خطرہ و ہلاکت کی طرف لیجانے والی ہے، (صفحہ ۱۷-۱۸) سارے اعمال' مجاہدات کے لئے مخصوص آداب و شرائط ہیں، بغیر اُن کے قدم اٹھانا سخت نادانی ہی،

متوسطین و متاخرین صوفیہ کے گروہ میں سماع کی بحث ایک بڑی اہمیت رکھتی ہے، طریقت کے اس استاد قدیم نے بھی اس پر تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے، اس سلسلہ میں اُنھوں نے سب سے پہلے حسن صوت کو لیا ہے، اور اُس کی مدح و توصیف میں متعدد احادیث نبوی نقل کی ہیں، مثلاً زینوا القرآن باصواتکم یا مابعث اللہ نبیاً الا حسن الصوت یا لقد اعطی ابو موسیٰ من مزامیر آل داؤد لما اعطی من حسن الصوت،

اس کے بعد سماع کے مختلف معانی/ سماع شعر وغیرہ کا ذکر کیا ہی، اور اور متقدمین میں جو حضرات جواز سماع کے قائل گزرے ہیں، ان کے اقوال نقل کیے ہیں، آگے چل کر ایک باب اباحت سماع عامہ کے عنوان سے قائم کیا ہی، اُس میں عید کے دن بیت عائشہؓ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گانا سننے کا حوالہ دیا ہے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت بلالؓ اور دوسرے صحابیوں کے اشعار پڑھنے کا ذکر کیا ہے، اور مالک بن انسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن جعفرؓ اور امام شافعیؒ سے شعر کو ترنم کے ساتھ پڑھنے کا جو جواز منقول ہے، ان سب کی سند جواز سے فائدہ اٹھایا ہے، لیکن یہ بالکل ظاہر ہے کہ ان ساری بحثوں کو پیشہ ور قوالوں اور گویوں کے گانے کی محفلوں سے جن میں لوگ بھی ہر قسم کے شریک رہتے ہیں، اور مضامین بھی ہر قسم کے گائے جاتے ہیں، اصلاً کوئی تعلق نہیں

سماع خاصہ کے ضمن میں سامعین کے تین طبقے کئے ہیں، مبتدئین و مریدین متوسطین و صدیقین، عارفین و اہل استقامۃ اور زمان، مکان و اخوان کی قید یاد دلائی ہے، غرض یہ کہ مختلف ابواب میں مسئلہ سماع کے مختلف پہلوؤں کو لیا ہے اور ہر باب میں ہر پہلو پہ تفصیلی نظر کی ہے، اور جواز کے جو آداب شرائط و قیود ہیں ان سے کسی حال میں اغماض نہیں برتا ہے، آخری باب میں اس گروہ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے، جو جواز سماع کا منکر یا اس کی کراہت کا قائل ہے۔ ان چند ابواب کا مطالعہ مشایخ حال کے لئے خاص طور پر سبق آموز ہوگا،

اقتباسات و تلخیصات سے نوعیت کتاب کا پورا اندازہ ہوگیا ہوگا، اور آج کی اعجوبہ پرستیوں سے اس کا مقابلہ کرنے سے صاف نظر آجائیگا کہ آج جو مجموعہ بدعات و منہیات، تصوف کے نام سے درگاہوں اور مزارات پر چل رہا ہے اس میں اور قدیم اسلامی سلوک و طریقت میں کس قدر عظیم الشان فرق ہے؟

باب (۲)

کشف المحجوب

(شیخ علی بن عثمان ہجویری)

(۱) مصنف[۱]

پورا اسم گرامی علی بن عثمان بن علی الغزنوی الجلابی ثم اللاہوری ہے ، ہندوستان میں شہرت عام عرف داتا گنج بخش سے ہے ،

وطن غزنی (افغانستان) تھا ، ہجویر و جلاب دو قریے مضافات غزنی میں ہیں ، قیام دونوں میں رہا ، آخر عمر میں ہندوستان آکر لاہور میں سکونت اختیار فرمائی تھی یہیں انتقال کیا ، یہیں مدفون ہوئے ، اس ساری نقل و حرکت کے اظہار کے لئے نام کے ساتھ "غزنوی جلابی ہجویری لاہوری" کا ضمیمہ لگا ہوا ہے ،

سید حسنی تھے ، شجرۂ نسب تذکروں میں یوں دیا ہے ، علی بن سید عثمان بن سید علی بن شاہ شجاع بن ابو الحسن علی بن حسن اصغر بن سید زہد پیشہ بن سیدنا حضرت حسنؓ بن سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ ،

---

[۱] ماخذ (۱) نفحات الانس (جامی) (۲) سفینۃ الاولیاء (دارا شکوہ) (۳) خزینۃ الاصفیا ۲ جلد - (غلام سرور لاہوری ، مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ) (۴) مآثر الکرام (غلام علی آزاد بلگرامی ، مطبوعہ حیدرآباد) (۵) فوائد الفواد (از امیر حسن علا سجزی ، مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ)

بیعت شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی سے تھی اور وہ شیخ ابوالحسن خصری کے مرید تھے شجرۂ طریقت سید الطائفہ جنید بغدادیؒ تک پہونچتا ہے، دوسرے بزرگوں سے استفادہ کیا تھا، جا بجا ان کا ذکر اپنے قلم سے کرتے گئے ہیں، اور اپنے اُن کے تعلقات پر روشنی بھی ڈالتے گئے ہیں، مثلاً شیخ ابوالعباس احمد اشغانی کے ذکر میں ہے:۔

مرا با وے اُنسے عظیم بود و وے را	مجھے ان سے بڑی محبت تھی اور وہ بھی
بر من شفقت صادق اندر بعضے علم	میرے اوپر دل سے شفقت رکھتے تھے اور
استاد من بود (کشف المحجوب صفحہ ۱۲)	بعض علوم میں میرے استاد تھے،

ایک جگہ خواجہ ابو احمد مظفرؒ سے اپنی ملاقات کا حال لکھا ہے، اور ایک صوفیانہ مسئلہ کا بھی انکشاف کرتے گئے ہیں:۔

روزے من اندر گرمائے گرم بنزدیک	میں ایک دن ان کے پاس سخت گرمی
وے اندر آمدم با جامۂ راہ و ژولیدہ	کے موسم میں آیا مسافرانہ کپڑے پہنے ہوئے
موے، مرا گفت یا ابا الحسن ارادت	اور الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ مجھ سے پوچھا
حالی مرا بگوئی تا چیست، گفتم مرا سماع	اسوقت کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا سماع
می باید، اندر حال کس فرستاد تا قوالے	سنوا دیجئے، اُنھوں نے فوراً کسی کو بھیج کر
بیار، روند و جماعتے را از اہل عشرت	ایک قوال اور چند گویوں کو بلا لیا
و آتش کودکی و قوت ارادت و حرکت	کم عمری کے جوش و شوق میں میں سماع سے
ابتداء مرا اندر سماع کلمات مضطرب کرد	بہت ہی متاثر ہوا، کچھ دیر بعد جب
چون زمانے بر آمد و سلطان و غلیان	میرا جوش و خروش ختم ہوا تو کہا کہ
آں افت اندر من کمتر شدہ مرا گفت	سماع کا مزا کیسا رہا، میں نے جواب

چگونہ بود مرا ترا بہ این سماع، گفتم
ایہا الشیخ سخت خوش بودم، گفت وقتے
بیاید کہ این و بانگ کلاغ ہر دو مر
ترا یکساں شود، قوت سماع تا آنگاہ
بود کہ مشاہدہ نہ باشد چوں مشاہدہ
حاصل آید، ولایت سمع ناچیز شود
نگر تا این را عادت نہ کنی تا طبیعت
نہ شود، (صفحہ ۱۲۳)

دیا کہ اے شیخ میرے لئے تو بہت ہی
اچھا تھا، فرمایا ایک وقت ایسا آئیگا
کہ یہ سماع اور کوے کی آواز تمہارے لئے
یکساں ہوجائے گی، سماع میں جان
اس وقت تک ہے جب تک مشاہدہ
پیدا نہیں ہوتا، جب مشاہدہ حاصل
ہوجائیگا، شوق سماع جاتا رہے گا،
لحاظ رکھو کہ کہیں یہ عادت پڑکر جزو طبیعت نہ بن جائے

اسی طرح بعض دوسرے مشاہیر معاصرین سلطان ابوسعید ابوالخیرؒ شیخ ابوالقاسم قشیریؒ، شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ وغیرہم سے ملاقاتوں کے دلچسپ تذکرے لکھے ہیں اپنے شیخ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

زیں اوتاد شیخ عباد ابوالفضل محمد
ابن الحسن الختلیؒ، اقتدائے من اندر
طریقت بدوست، عالم بود بہ علم
تفسیر و روایات، و اندر تصوف
مذہب جنید داشت و مرید حصری
بود و صاحب یزدانی و اقران
ابوعمر قزوینی و ابوالحسن بن سالبہ بود
و شصت سال بحکم عزلتے صادق

ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ بزرگوں اور
عابدوں کے سرتاج تھے، میں طریقت
میں انہی کا مرید ہوں، علم تفسیر و
روایات کے عالم تھے، اور تصوف
میں جنیدؒ کے ہم مذہب، حصری
کے مرید تھے، اور یزدانی کے دوست
اور ابوعمر قزوینی اور ابوالحسن بن
سالبہ کے معاصر تھے، ساٹھ سال

بگوشہا اندر میگریخت و نام خود
از میان خلق گم کردہ بود و بیشتر
بجبل لگام بودے، عمرے نکو یافت
وے را آیات و براہین بسیار بود
اما لباس و رسوم متصوفہ نداشتی
و با اہل رسم شدید بودے و من
از وے ہرگز مہیب تر مردے
نہ دیدہ بودم (صفحہ ۱۲)

تک اپنے کو شہرت خلق سے دور
گوشہ نشینی اور گمنامی میں رکھا، قیام
زیادہ تر کوہ لگام پر رہا، عمر اچھی پائی
۱۳ ان کے زمانہ کے [illegible]
(ولایت کے) بہت سے ثبوت و
شواہد رکھتے تھے، لیکن لباس اور
آثار ظاہری صوفیہ کے سے نہ رکھے۔
جو لوگ رسوم صوفیہ کے پابند تھے،
ان سے اور درشتی برتتے، میں نے

حنفی المذہب تھے، امام ابو حنیفہؓ سے خاص عقیدت تھی، ان کا نام امامان
و مقتدائے سنیاں شرف فقہا و عز علماء، کی حیثیت سے لیا ہے، اور ان کے کمالات
کا بیان تفصیل سے کیا ہے، (صفحہ ۶۶ یا صفحہ ۶۹) اس ضمن میں اپنا ایک دلچسپ خواب بھی
تحریر کیا ہے، فرماتے ہیں:۔

"میں ملک شام میں تھا، کہ ایک مرتبہ حضرت بلالؓ مؤذن رسولؐ کے مزار
کے سرہانے سو گیا، خواب میں دیکھتا ہوں کہ مکہ معظمہ میں حاضر ہوں، اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے اندر داخل ہو رہے ہیں، اور جس طرح کوئی کسی
بچہ کو گود میں لئے ہو، آپ ایک کمسن شخص کو گود میں لئے ہوئے ہیں، میں دوڑا ہوا حضور
میں پہونچا، پائے اقدس کو بوسہ دیا، اور دل میں سوچنے لگا، کہ یہ کمسن شخص کون ہے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے خطرۂ قلب پر اطلاع ہو گئی، ارشاد ہوا کہ یہ شخص
تیرا اور تیری قوم کا امام ہے، یعنی ابو حنیفہؒ، اس خواب سے مجھے اپنے اور اپنی قوم کے

کے حق میں بڑی امیدیں قائم ہو گئیں، اور مجھے اس خواب سے یہ بھی منکشف ہو گیا کہ امام ابو حنیفہؒ ان لوگوں میں سے ہیں، جو اپنے صفات ذاتی سے فانی ہو چکے ہیں اور محض احکام شرع کے لئے باقی رہ گئے ہیں، اس لئے کہ ان کے حامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اگر میں انھیں خود چلتے دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ وہ باقی الصفات ہیں، اور باقی الصفات کے لئے خطا وصواب دونوں کا امکان ہے، لیکن چونکہ انھیں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں دیکھا، اس سے معلوم ہوا کہ انکا وجود ذاتی فنا ہو چکا ہے، اور اب جو ان کا وجود قائم ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے قائم ہے، اور چونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کسی طرح کی خطا کا امکان نہیں، اس لئے جس کا وجود ان میں فانی ہو چکا ہے وہ بھی امکان خطا سے پاک ہے۔" (ص ۶۸-۶۹)

سفر و سیاحت میں اکثر رہا کرتے تھے، شام سے لیکر ترکستان تک اور ساحل سندھ سے لے کر بحر قزوین تک یعنی اپنے زمانہ کی تقریباً ساری اسلامی عملداری کی سیاحی کا ذکر کیا ہے، آذربیجان، بسطام، دمشق، رملہ، بیت الحق، طوس عہستہ اور جبل السلام کے نام اپنے سفر ناموں کے ذیل میں تصریح کیساتھ لئے ہیں، ایک مرتبہ عراق کے دوران قیام میں معلوم ہوتا ہے کہ معاش وافر تھی، اور اسی کے ساتھ مصارف کی زیادتی سے نوبت قرضداری کی آگئی تھی، اور یہ اس فکر میں گھلے جاتے تھے کہ ہر شخص کی حاجت روائی کہاں تک کریں آخر ایک درویش کی موعظت سے، پریشان خاطری سے رہائی نصیب ہوئی فرماتے ہیں :-

وقتے من اندر دیار عراق اندر طلب دنیا و فنا کردن آں تا پاکی می کردم و دام بسیار بر آمده بود و حشویہ ہر کسے را کہ بایستے بودے روے بمن آوردہ بودند و من در رنج حصول ہوائے شاں ماندہ بودم، سیدے از سادات وقت بمن نوشت کہ اے پسر نگر تا دل خود را از خدا مشغول نہ کنی بہ فراغت دلے کہ مشغول ہوا ست پس اگر دلے یابی عزیز تر از دل خود روا باشد کہ بفراغت آں دل دل خود را مشغول گردانی و الا کہ دست از آں کار بدار کہ بندگان خدا را خدا بسندہ باشد اندر وقت را بدیں سخن فراغتے پدیدار آمد (۲۶۸)

ایک بار میں حدود عراق میں دنیا کے حاصل کرنے اور اس کے لٹا دینے میں بے طرح مشغول تھا، اور بہت قرضدار ہو گیا تھا، جس کو جس چیز کی بھی خواہش ہوتی، بس میری ہی طرف رُخ کرتا، اور میں اس فکر میں رہتا تھا کہ کیسے سب کی خواہش پوری کردوں، کہ شیوخ وقت میں سے ایک شیخ نے مجھے لکھا کہ اے فرزند کہیں اپنے دل کو مشغولی خدا سے ہٹا کر اس کی طرف مشغول نہ کر لینا جو مشغول ہوائے نفس ہے، ہاں اگر کوئی ایسا شخص ملے جس کا دل تم سے برتر ہو جب تو اس کی تشفی خاطر کرو، ورنہ سب کے لئے اپنا دل حیران و پریشان

[illegible]

قید ازدواج سے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ہمیشہ آزادی رہی، البتہ ایک مقام پر آپ بیتی یوں بیان کرتے ہیں کہ جیسے غائبانہ کسی سے تعلقات محبت قائم ہو گئے تھے اور یہ ایک سال تک اس زخم لطیف کے بسمل رہے، پھر آخر اس سے نجات مل گئی، بیان ہی اتنا مجمل کہ تفصیلات کا کچھ پتہ نہیں چلتا، لکھا ہے کہ

من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از بس	مجھ علی بن عثمان جلابی کو اللہ نے
آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت	گیارہ سال تک تزویج کی مصیبت سے
تزویج نگاہ داشتہ بود ہم تقدیر کرد	محفوظ رکھا، اس کے بعد تقدیر الٰہی
تا بفتنہ اندر افتادم ظاہر و باطنم اسیر	یہ ہوئی کہ میں آزمایش میں پڑوں
صفتے باشد کہ با من کردند بے آنکہ	چنانچہ بغیر شکل دیکھے، محض دوسروں
رویت بودہ بود و یک سال مستغرق	سے اوصاف سُن کر میرا ظاہر و باطن
آں بودم چنانچہ نزدیک بود کہ دین	اسی کی طرف گرفتار رہا، یہانتک
بر من تباہ شود تا حق تعالیٰ بہ کمال	قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے
لطف و تمام فضل خود عصمت را	کہ حق تعالیٰ نے کمال لطف و
باستقبال دل بیچارۂ من فرستاد	کرم سے میری دستگیری کی،

(کشف المحجوب ... صفحہ ۴۸۵)

استعداد علمی کی تفصیل کسی تذکرہ میں نظر سے نہیں گذری، لیکن کشف المحجوب خود اس امر کا ایک واضح ثبوت ہے کہ اُس کا مصنف علم باطن کے علاوہ علوم ظاہری پر بھی وسیع نظر رکھتا ہے، بعض تذکروں میں اجمالاً صرف اتنا ہے کہ جامع بودند علوم ظاہر و باطن،،، اور اتنا تو یقیناً صحیح معلوم ہوتا ہے،

بعض تذکروں میں ہے کہ لاہور اپنے پیر و مرشد کے حکم سے آئے تھے، اور حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ دہلوی کے ایک ملفوظ میں تو ورود لاہور کی تفصیل بھی ملتی ہے، فوائد الفواد میں ہے کہ علی ہجویری اور شیخ حسین زنجانی دونوں ایک ہی مرشد سے بیعت رکھتے تھے، شیخ حسن زنجانی عرصہ سے لاہور میں سکونت رکھتے تھے، ایک روز شیخ علی ہجویریؒ کو مرشد کا

حکم ملا کہ لاہور میں سکونت اختیار کرو، عرض کیا کہ وہاں تو شیخ حسین پیشتر سے موجود ہیں، مکرر ارشاد ہوا کہ تم جاؤ، تعمیل کی، شب میں لاہور پہونچے، اسی شب میں شیخ حسین نے انتقال کیا، (صٹ ۳)

ان روایتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ لاہور کو مرشد کے حکم سے اپنا مسکن بنایا تھا، لیکن کشف المحجوب سے کچھ ایسا پایا جاتا ہے کہ لاہور کا قیام مرضی کے خلاف کسی مجبوری سے تھا، فرماتے ہیں :-

کتب من بہ حضرت غزنین ماندہ	میری کتابیں غزنی میں چھوٹ گئی
بودومن اندر دیار ہند در بلدۂ لاہور	تھیں اور میں عدو ہندمیں شہر لاہور
کہ از مضافات ملتان است در میان	میں کہ مضافات ملتان میں سے
ناجنسان گرفتار شدہ بودم (صٹ ۶۵)	ہے، ناجنسوں کے درمیان گرفتار تھا

عام لقب جو گنج بخش چلا ہوا ہے، اس کی بابت روایت یہ ہے کہ خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیریؒ نے آپ کے مزار پر آکر حسب دستور صوفیہ چلہ کشی کی اور فیض و برکت سے مالا مال ہو کر جب رخصت ہونے لگے تو مزار کے رخ کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا،

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا	کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما

سال وفات سے متعلق اختلاف ہے، مزار پر جو قطعہ تاریخ کندہ ہے، اس میں ۴۶۵ھ درج ہے، دوسرے قرینے بھی اسی کی تائید میں ہیں، مزار لاہور میں سمت غرب میں واقع ہے، اب تو آبادی وہاں تک ہو گئی ہے، پہلے شہر سے باہر تھا اہل حاجت یوں بھی برابر آتے جاتے رہتے ہیں، جمعرات اور جمعہ کو مجمع زائد ہو جاتا ہے، عقیدتمندوں کا خیال ہے کہ اگر چالیس روز متصل حاضری دیجائے یا چالیس جمعہ کی راتوں کو

مزار کا طواف کیا جائے تو ہر مشکل آسان اور ہر حاجت روا ہو جاتی ہے، زیارت ایک بار ۱۳۶۱ھ ۱۹۴۲ء میں ان سطور کے راقم آثم نے بھی کی ہے، خلاف شریعت بدعتوں کا مرکز جس طرح ہر بڑی درگاہ ہے، یہ مزار بھی ہے،

تصوف و طریق پر کتابیں متعدد لکھیں، لیکن آج وہ ناپید ہیں، بلکہ تذکروں میں تو ان کے نام تک بھی درج نہیں، سفینۃ الاولیاء وغیرہ میں اجمالی ذکر صرف اس قدر آتا ہے کہ "حضرت پیر علی ہجویریؒ را تصانیف بسیار است" لیکن نکلسن نے خود کشف المحجوب کے اندر ڈوب کر ذیل کی کتابوں کا پتہ تو لگا ہی لیا ہے،

۱- وجدان - یکے آنکہ دیوان شعرم کسے برخاست" (کشف، ص۱) (ص۱)

۲- منہاج الدین - دیگر کتابے تالیف کردم اندر طریق تصوف، نام آں منہاج الدین "پیش ازیں کتابے ساختہ ام، مر آں را منہاج الدین نام کردہ اند، اندر وے مناقب (اہل صفہ) یک یک بتفصیل آوردہ" (ص۸۰) نیز اندر کتابے کہ کردہ ام بجز ایں منہاج نام" (ص۱۱۱)

۳- کتاب الفناء والبقاء - مارا ازیں جنس سخن است اندر کتابے فنا و بقا" (ص۴)

۴- اسرار الخرق والمؤنات، "مرا اندریں باب کتابے کہ نام آں اسرار الخرق والمونات ست و نسخہ آں مرید را باید" (ص۳۵)

۵- کتاب البیان لاہل العیان "من اندریں معنی تا حال ہدایت کتابے ساختہ ام و آں را کتاب البیان لاہل العیان نام کردہ شد" (ص۱۹۵)

۶- بحر القلوب - "اندر بحر القلوب اندر باب جمع فصولے مشبعہ گفتہ ام" (ص۱۹۵)

۷- الرعایۃ لحقوق اللہ - طالب ایں علم را ایں مسئلہ از کتاب دیگر باید طلبید کہ

کردہ ام، آں را الرعایۃ لحقوق اللہ نام کردہ" (صفحہ ۲۱۱)

کشف کی دو عبارتوں میں کتابوں کے حوالے اور بھی ہیں، اب خدا معلوم ان سے مراد انہی مذکورہ بالا کتابوں میں سے کوئی دو ہیں یا یہ دو ان کے علاوہ ہیں،

"پیش ازیں اندر شرح کلام وے (منصور حلاج) کتابے ساختہ ام" (صفحہ ۱۱۱)

"من اندر بیان ایں (ایمان) کتابے کردہ جداگانہ۔ (صفحہ ۲۱۵)

اگر یہ دو کتابیں ان کے علاوہ ہیں، (جیسا کہ نکلسن کا خیال ہے) تو مجموعی تعداد نو کتابوں کی ہوتی ہے، اور ایک خود یہی کشف المحجوب، کل دس ہوئیں، اور چونکہ یہ بھی نہیں معلوم کہ کشف کی تصنیف کب ہوئی، اور شیخ اُس کے بعد کب تک زندہ رہے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ ان دس پر بعد میں کچھ اور بھی اضافہ ہوا ہو،

مخدومؒ کے مرتبۂ کمال کا اعتراف سب کو رہا ہے، خواجۂ خواجگان معین الدین چشتی اجمیریؒ اور شیخ المشائخ فریدالدین گنج شکرؒ دونوں سے متعلق روایت ہے کہ آپ کے مزار پر جاکر چلے کھینچے ہیں اور فیوض و برکات حاصل کئے ہیں، چنانچہ دونوں حضرات کے مکانات چلہ کشی کے نقوش اب تک محفوظ ہیں،

ملا جامیؒ ان الفاظ میں تصنیف و مصنف کی جلالت قدر کا اعتراف کرتے ہیں:

"عالم و عارف بود...... در صحبت بسیارے از مشائخ دیگر رسیدہ است، صاحب کتاب کشف المحجوب است کہ از کتب مشہورۂ معتبرۂ دریں فن است، و لطائف و حقائق بسیار دراں کتاب جمع کردہ است" (نفحات صفحہ ۳۵)

دارا شکوہ کے نزدیک فارسی زبان میں تصوف پر کوئی کتاب اس ٹکر کی نہیں:

"خانوادۂ ایشاں خانوادۂ زہد و تقوی بود، حضرت پیر علی ہجویریؒ را تصانیف

بسیار است اما کشف المحجوب مشہور و معروف است و ہیچکس را بر آں سخن نیست و مرشدے ست کامل، و در کتب تصوف بہ خوبی آں در زبان فارسی تصنیف نہ شدہ خوارق و کرامات زیادہ از حد و نہایت، و بارہا بر قدم تجربہ و توکل سفر کردہ اند" (سفینہ ص۱۶۴)

سب سے بڑھ کر قابل استناد و قابل افتخار قول سلطان المشائخ نظام الملت نظام الدین اولیاؒ کا ہے، آپ کا ارشاد تھا کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو، اسکو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائیگا، آپ کا ایک غیر مطبوعہ ملفوظ درر نظامی میں ہے[۱]

"می فرمودند، کشف المحجوب از تصنیف شیخ علی ہجویری ست، قدس اللہ روحہ العزیز، اگر کسے را پیرے نہ باشد چوں ایں کتاب را مطالعہ کند او را پیدا شود، من ایں کتاب را بہ تمام مطالعہ کردم"

مخدومؒ کی اس کرامت کا ذکر متعدد تذکروں میں ہے کہ لاہور میں جو مسجد آپ نے تعمیر کرائی تھی، اسکی محراب میں بہ مقابلہ دوسری مسجدوں کے سمت جنوب میں ذرا کجی تھی، علمائے وقت نے اعتراض کیا کہ سمت قبلہ قائم نہیں رہی، آپ نے ایک روز سب کو جمع کرکے خود نماز پڑھائی، اس کے بعد حاضرین سے کہا کہ دیکھو کعبہ کدھر ہے، حجابات اٹھ گئے، سب نے دیکھ لیا کہ بیت اللہ مسجد کے ٹھیک مقابل ہے،

---

[۱] درر نظامی۔ مرتبہ شیخ علی محمود جاندار، نسخہ قلمی، مملوکہ سید علیم الدین مرحوم خادم درگاہ سلطان المشائخ دہلی،

۲۔ تصنیف

عربی میں تصوف کی قدیم ترین معلوم و موجود کتاب کا نام کتاب اللمع تھا، اس سے ہم پچھلے باب میں روشناس ہو چکے، فارسی میں تصوف کی قدیم ترین موجود کتاب کشف المحجوب ہے، کتاب اللمع چند سال قبل دنیا کے لئے معدوم تھی، اور اب بھی مشرق کے لئے اسکا وجود اس کے عدم سے کچھ ہی بہتر ہے، خوش قسمتی سے کشف المحجوب اس حجاب گمنامی میں نہیں، داتا گنج بخش لاہوری کا نام تو اس سے زیادہ عوام کی زبان پر ہے، پنجاب کے اکثر گھرانے ان کی عقیدت کے مسکن ہیں، لاہور میں مدت ہوئی اصل فارسی نسخہ طبع ہو چکا ہے، اور ترجمہ بھی لاہور ہی سے نکل چکا ہے انگریزی ترجمہ پروفیسر نکلسن نے گب موریل سیریز میں شائع کیا ہے، چند سال ہوئے روس (سینٹ پیٹرز برگ) کے پروفیسر ژوکوفسکی کے زیر اہتمام اصل کتاب کے یورپ میں بھی چھپنے کی اطلاع آئی تھی، یہ سب کچھ ہے، تاہم استفادہ کرنے والوں کا حلقہ اب بھی محدود ہے اور مصنف کی طرح تصنیف سے بھی تعارف کرانے کی ضرورت ابھی باقی ہے،

مصنفؒ کی رحلت کا سال ۴۶۵ھ ہے، اور مصنفؒ نے اس کتاب میں اپنی متعدد پچھلی کتابوں کا ذکر اور سکونت لاہور کا ذکر کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ان کی آخر عمر کی تصنیف ہے یعنی پانچویں صدی ہجری کا وسط، اس کتاب کے تقریباً ہم عمر امام ابوالقاسم قشیریؒ کا عربی رسالہ القشیریہ ہے، موضوع اس کا بھی تصوف ہے، دونوں کے طرز تصنیف میں فرق یہ ہے کہ امام موصوف نے زیادہ تر متقدمین

کے اقوال وحکایات کے نقل کر دینے پر اکتفا کی ہے بہ خلاف اسکے مخدوم ہجویری ایک محققانہ مجتہدانہ انداز سے اپنے ذاتی تجربات، مکاشفات وار دات، مجاہدات وغیرہ بھی قلمبند کرتے جاتے ہیں، اور مباحث سلوک پر رد وقدح کرنے میں تامل نہیں کرتے اس لئے ان کی کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعۂ روایات وحکایات کی نہیں بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف کی ہے،

صورت تصنیف یہ ہے کہ کوئی صاحب ابو سعید ہجویری نامی سائل ہیں انھوں نے حضرت مخدومؒ کی خدمت میں عرض کیا ہے کہ

بیان کن مرا اندر تحقیق طریق تصوف	مجھ سے بیان فرمائیے طریق تصوف
وکیفیت مقامات ایشان و بیان	کی حقیقت اور مقامات صوفیہ کی
مذاہب ومقالات آن و اظہار	کیفیت اور ان کے عقائد و مقالات
کن مرا رموز واشارات ایشان	کی تشریح، اور مجھ پر ظاہر کیجئے انکے
وچگونگی محبت خدائے عز وجل و کیفیت	رمز اور اشارے اور خدائے بزرگ کیسا
اظہار آن بر دلہا وسبب حجاب عقول	ان کی محبت کی نوعیت، اور دلوں
از کنہ ماہیت آن ونفرت نفس	میں اس کے ظہور کی کیفیت اور اسکی
از حقیقت آن وآرام روح با	ماہیت کے ادراک سے عقل کا حجاب
صفوت آن وآنچہ بدین تعلق دارد	اور نفس کی اس کی طرف سے بیزاری اور
واز معاملت آن (ص ۶)	روح کی اس کی طرف سے تسکین؟

۱۔ اظہار کے ... معاملات ...

ساری کتاب اسی سوال کے جواب اور انہی مراتب کی تفصیل میں ہے،

مضامین اور تصانیف کے سرقہ میں معلوم ہوتا ہے، اس وقت اور اس زمانہ

کے لوگ بڑے شاطر تھے، شیخ کو ایک نہیں دو مرتبہ ان لوگوں کے ہاتھوں تلخ تجربے اٹھانے پڑے، ایک مرتبہ کوئی صاحب شیخ سے مسودہ دیوان مانگ کر لے گئے اور بجائے واپس کرنے کے اپنے نام اور تخلص کے ساتھ اس کی اشاعت شروع کر دی، دوسری مرتبہ یہ اتفاق ہوا کہ ان کی ایک تصنیف فن سلوک میں منہاج الدین کے نام سے تھی، اسے کوئی شخص اڑا لے گیا، ان کا نام کاٹ کر عنوان پر اپنا نام لکھدیا، اور اس کی تصنیف کو اپنی جانب منسوب کرنا شروع کر دیا، کشف المحجوب ان تصانیف کے بعد کی ہو، اس کے آغاز میں جہاں اپنا نام لکھا ہے، وہاں ان سب تلخ حالات کی تصریح بھی تلخ لب و لہجہ میں فرمادی ہے، (صت۲)

اس سرقہ سے اس قدر خائف تھے، کہ اسی ایک بار پر اکتفا نہیں کی، بلکہ درمیان کتاب میں بار بار اپنا پورا نام لیتے گئے ہیں،

لاہور کا جو مطبوعہ نسخہ پیش نظر ہے، اس کا کہنا چاہئے کہ کوئی صفحہ مطبعی غلطیوں سے خالی نہیں، کہیں عبارت بالکل بے معنی ہو گئی ہے، کہیں مصنف کے اصل منشا کے خلاف مفہوم نکل رہا ہے، اور اس سے بڑھ کر ستم یہ ہے کہ اکثر مقامات پر اشخاص و مقامات کے نام بالکل مسخ ہو گئے ہیں، ان کی تصحیح کی کوئی صورت نہیں، دوسرا تکلیف دہ امر اس نسخہ میں یہ ہے، کہ کسی قسم کی فہرست مضامین وغیرہ درج نہیں، کتاب مقدمہ بابوں اور فصلوں میں تقسیم ہے، ہر باب و فصل کے الگ الگ پیراگراف (بند یا فقرے) ہیں، لیکن کاتب صاحب نے بائے بسم اللہ سے لے کر تائے تمت تک ۴۸۴ صفحہ کی کتاب کا قلم یکساں رکھا ہے، نہ کہیں کوئی پیراگراف (بند) توڑا ہے، نہ ایک باب و فصل کے اختتام کو دوسرے کے آغاز سے نمایاں طور پر ممتاز کیا ہے، راقم سطور نے بطور خود ایک

فہرست مضامین اور بعض دوسری فہرستیں مرتب کیں اور انہی کی مدد سے ناظرین کے ہمراہ کتاب پر ایک سرسری نظر کرنا ہے،

شروع کے چھ صفحے (صفحہ ۱-۶) بہ طور تمہید یا مقدمہ کے ہیں، ان میں سبب تالیف موضوع سخن وغیرہ کا بیان ہے، اس کے بعد ترتیب مضامین حسب ذیل ہے :-

(۱) فی اثبات العلم (صفحہ ۶-۱۴)

اس میں علم کی ماہیت، علم کے فضائل اور علم کے اقسام کا بیان ہے مشہور صوفی حاتم اصم کا قول نقل کیا ہے کہ

حاتم الاصم گفت رضی اللہ عنہ کہ چہار علم	تمام علوم عالم میں سے میں نے چار چیزوں
اختیار کردم واز ہمہ علمائے عالم برستم	کا علم حاصل کر لیا، اور باقی علوم سے
.... یکے آنکہ بدانستم کہ مرا رزقے	بے نیاز ہو گیا، اول یہ کہ رزق کی ایک
ست مقسوم کہ زیادت وکم نشود	مقدار مقسوم ہے جس میں کمی بیشی نہیں
از طلب زیادت برآسودم دیگر	ہو سکتی، اس لئے اس میں اضافہ کی
آنکہ بدانستم کہ خدائے را بر من	طلبگاری سے نجات پا گیا، دوسرے
حقے ست کہ جز من کسے دیگر نتواند	یہ کہ خدا کی جانب سے میرے اوپر
گزارد، بہ ادائے آں مشغول گشتم،	جو حق عائد ہیں ان کی بجا آوری میرے
دیگر آں کہ دانستم کہ مرا طالبے ست	اوپر فرض ہے نہ کہ کسی دیگر پر، اس سے
یعنی مرگ کہ از وے نتوانم گریخت آں را	ان کی ادائی میں مشغول ہو گیا ہوں
بشناختم، چہارم آں کہ دانستم کہ مرا	تیسرے یہ کہ میرے تعاقب میں موت
خداوندے ست مطلع بر من، از وے	لگی ہوئی ہے، جس سے کسی طرح گریز

شرم داشتم واز تا کردنی دست باز داشتم ۔ (سعدی)

ترجمہ: چونکہ خدا کا ملنا بعید

ممکن نہیں اسلئے اس سے ملنے کی تیاری کرتا رہتا ہوں چوتھے یہ کہ خدا میرے حال کو دیکھتا رہتا ہے، اسلئے اس سے شرم کرتا اور

علم صحیح یا معرفت کے لئے علم ظاہر یا شریعت اور علم باطن یا طریقت کی حاجت ضروری ہے، صرف ایک کا وجود طالب کے لئے مضر ہوگا،

ظاہر وورزش معاملت و باطنش تصحیح نیت و قیام بر یک ازیں بے دیگرے محال باشد، ظاہر بے حقیقت باطن نفاق بود و باطن بے ظاہر زندقہ، و ظاہر شریعت بے باطن نقص بود و باطن بے ظاہر ہوس، پس علم حقیقت را سہ رکن است یکے علم بذات خداوند تعالیٰ و وحدانیت وے و نفی تشبیہ از وے دیگر علم بہ صفات خداوند تعالیٰ و احکام آن، و سہ دیگر علم بہ افعال و حکمت وے، و علم شریعت را نیز سہ رکن است، یکے کتاب، و دیگر سنت سہ دیگر اجماع امت، (حضرت)

ظاہر سے مراد معاملات ہیں اور باطن سے تصحیح نیت، ان میں سے ایک کا وجود بغیر دوسرے کے محال ہے، ظاہر بغیر امتزاج باطن کے منافقت ہے، اور باطن بغیر شمول ظاہر کے زندقہ ہے، شریعت کا ظاہر بلا باطن نقص ہے اور باطن بلا ظاہر ہوس ہے، تو علم حقیقت کے تین رکن ہوئے، ایک علم ذات خداوندی، توحید و نفی تشبیہ، دوسرے علم صفات و احکام خداوندی تیسرے علم افعال و حکمت افعال خداوندی، علم شریعت کے بھی یہی تین رکن ہیں، ایک کتاب، دوسرے سنت تیسرے اجماع امت

علم ذات خداوندی کی تعلیم اس قسم کی آیات قرآنی میں بکثرت ملتی ہے،

فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ

واعلموا انّ اللہ ھو مولیٰکم

الم تر الیٰ ربک کیف مدّ الظلّ

افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت،

لیس کمثلہ شیٔ وھو السمیع البصیر

نیز اس قسم کی احادیث نبوی ہیں، کہ من علم انّ اللہ تعالیٰ ربّہٗ وانی نبیہ حرم اللہ تعالیٰ لحمہ ودمہ علی النار،

علم صفات خداوندی کی جانب رہبری اس قسم کی آیات کرتی ہیں:-

انّہٗ علیمٌ بذات الصدور،

واللہ علیٰ کلّ شیٔ قدیر،

وھو السمیع البصیر،

فعال لما یرید،

ھو الحی لا الٰہ الا ھو،

علم افعال خداوندی کی بابت اشارے اس قسم کی آیات میں ملتے ہیں،

واللہ خلقکم وما تعملون،

واللہ خالق کل شیٔ،

علم شریعت کے رکن اوّل یعنی کتاب اللہ سے تمسک واعتصام کی دلیل یہ ارشاد ربّانی ہے، فیہ آیاتٌ محکماتٌ ھن ام الکتاب رکن دوم یعنی سنت نبوی کا شاہد عادل یہ فرمان الٰہی ہے، وما آتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا، رکن سوم

یعنی اجماع اُمت کی دستاویز استناد یہ ارشاد حضرت رسالت ؐ ہے کہ لا یجتمع امتی علی الضلالۃ علیکم بالسواد الاعظم،

علم، بہ شمول علم شریعت کی اہمیت پر جتنا زور دیا ہے اس مزید اندازہ اقتباس ذیل سے ہوگا:-

محمد بن فضل البلخی گوید رحمۃ اللہ علیہ العلوم ثلثۃ علم من اللہ و علم مع اللہ و علم باللہ علم باللہ علم معرفت بود کہ ہمہ اولیاء و انبیاء بدو دانستہ اند و تا تعریف و تعرف وے نبود ایشاں وے را نہ دانستند علم من اللہ علم شریعت بود کہ آں از وے با فرمان و تکلیف است و علم مع اللہ علم مقامات و طریق حق و بیان درجات اولیا است پس معرفت بے پذیرفتن شریعت درست نیاید و ورزش شریعت بے اظہار مقامات راست نیاید..... ہر کرا علم معرفت نیست دلش بجہل مردہ ست و ہر کرا علم شریعت نیست بہ نادانی بیمار ست (ص ۱۲)

محمد بن فضل بلخی کہتے ہیں کہ علم کی تین قسمیں ہیں ایک علم من اللہ دوسرے علم مع اللہ تیسرے علم باللہ، علم باللہ علم معرفت ہے کہ انبیاء و اولیاء نے اسی ذریعہ سے معرفت باری حاصل کی ہے، اور بغیر اس کے اُنہیں معرفت حاصل نہ ہو سکی، علم من اللہ علم شریعت ہے یعنی احکام الٰہی و فرائض عبدیت کا علم، علم مع اللہ علم مقامات طریقت و درجات اولیاء کا نام ہے، معرفت بغیر علم شریعت کے قبول کئے درست نہیں ہو سکتی اور شریعت پر عمل بغیر مقامات رسی کے پورا نہ ہو پائے گا اور جسے علم معرفت نہیں اُس کے قلب پر جہل کی موت طاری ہے، اور

[illegible]

اسی تعلیم کی تائید میں بایزید بسطامی کا قول ہے کہ

عملت فی المجاھدۃ ثلاثین سنۃ فما وجدت شیئا اشد علی من العلم ومتابعتہ

میں نے تیس سال تک مجاہدہ کئے، لیکن کسی مجاہدہ کو علم و تحصیل علم سے بڑھکر سخت نہیں پایا،

اور خود شیخ ہجویری کا بیان ہے کہ طبع انسانی کے لئے آگ پر چلنا راہ علم پر چلنے سے آسان تر ہے، اور ایک جاہل کے لئے پل صراط پر ہزار بار گذرنا اس سے آسان ہے، کہ علم کا ایک مسئلہ حل کرے، (ص ۱۴)

آج جب کہ بعض خوش فہم صوفیہ نے ہر قسم کے علم پر مطلق صورت میں حجاب اکبر کا حکم لگا دیا ہے علم شریعت کے یہ فضائل ایک شیخ الشیوخ کی زبان سے یقیناً حیرت کے کانوں سے سنے جائیں گے،

(۲) الباب الثانی فی الفقر، (صفحہ ۱۴-۲۴)

اس باب میں فضائل فقر و مسکنت کا بیان ہے، فضائل فقر میں متعدد آیات قرآنی موجود ہیں، مثلاً

للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف (بقر۔ ع۔ ۳۷)

تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا و طمعا (سجدہ۔ ع ۳)

احادیث نبوی میں فضائل فقر کثرت سے وارد ہوئے ہیں، سرور کائنات صلعم خود اپنے متعلق دعا میں یہ آرزو کیا کرتے تھے، کہ اے پروردگار مجھے مسکین زندہ رکھ مسکین ہی وفات دے، حشر میں زمرۂ مساکین ہی میں اٹھا، ایک اور حدیث میں

آتا ہے کہ قیامت کے روز ارشاد باری تعالیٰ ہو گا کہ

ادنونی احبائی فیقول الملئکۃ من احباءک فیقول اللہ عزّوجلّ الفقراء والمساکین، | میرے دوستوں کو حاضر کرو، فرشتے عرض کریں گے کہ بارالٰہا تیرے دوست کون ہیں؟ ارشاد ہو گا کہ فقراء و مساکین،

عہد رسالت میں جو فقراء و مہاجرین مسجد نبوی میں اسباب دنیوی سے قطع نظر کر کے محض عبادت الٰہی کے لئے بیٹھ گئے تھے، اور اپنے رزق کے لئے تکیہ محض مسبب الاسباب پر رکھے ہوئے تھے، ان کی خبر گیری اور ان کی رفاقت کے لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ رب العزت سے تاکید ہوتی تھی چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے،

ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ

(انعام - آیت ۵۲)

اور ایک دوسرے موقع پر فرمان ملتا ہے،۔

ولا تعد عیناک عنھم ترید زینۃ الحیوٰۃ الدنیا (کہف، آیت ۲۸)

ان تاکیدی احکام نے ان فقراء و مہاجرین کو اس مرتبہ پر پہنچا دیا تھا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جہاں کہیں انھیں دیکھ لیتے تو انتہائی شفقت سے ارشاد فرماتے کہ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، کہ اللہ نے تمھارے بارے میں مجھ پر عتاب کیا (ص ۱۵)

اس کے آگے فقر کی حقیقت اور فقر کے آداب پر بحث کی ہے، اور غنا کے مقابلہ میں اس کی افضلیت پر دلائل قائم کئے ہیں،

(۳) الباب الثالث فی التصوف (صفحہ ۲۴-۳۱)

تیسرا باب ماہیت تصوف پر ہے، حسب معمول شیخ نے اس باب کا بھی آغاز

قال اللہ و قال الرسول سے کیا ہے، چنانچہ کلام الٰہی میں انہیں اس باب کے مطابق و مناسب یہ آیت ملی،

وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً (الفرقان، آیت ۶۳)

اور بطور حدیث کے اس کو پیش کیا ہے جو حدیث رسولؐ تو نہیں، البتہ کسی بزرگ امت کا مقولہ معلوم ہوتا ہے،

من سمع صوت اھل التصوف فلا یومن علی دعائھم کتب عند اللہ من الغافلین،

اس کے آگے شیخ سراج کی طرح انھوں نے بھی لفظ صوفی اور اس کے اشتقاق پر تفصیلی نظر کی ہے،

مردمان اندر تحقیق ایں اسم بسیار سخن	اس نام کی تحقیق میں لوگوں کے مختلف
گفتہ اند و کتب ساختہ و گروہے از آں	خیالات ہیں اور بہت سے قول ہیں، ایک
گفتہ اند کہ صوفی را برائے آں صوفی	گروہ کے نزدیک چونکہ یہ لوگ جامہ
خوانده اند کہ جامۂ صوف دارد و	صوف میں ملبوس رہتے تھے، اسلئے
گروہے گفتہ اند کہ صوفی را از برائے	صوفی کہلائے، بعض کا خیال ہو کہ
آں صوفی خوانند کہ از صف اول باشد	لفظ صوفی کا ماخذ صف اول ہے، یہ
دگروہے گفتہ اند کہ بداں صوفی گویند	حضرات چونکہ صف اول میں رہتے
کہ تولا بہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کرد	تھے، اس لئے لقب صوفی سے موسوم
اند و گروہے گفتہ اند کہ ایں اسم از	ہوئے، ایک گروہ کا مسلک ہو کہ

از صفا مشتق است و ہر کسے را اندریں معنی اندر تحقیق ایں طریقت لطائف بسیار است اما بہ مقتضائے لغت ازیں معنی بعید می باشد، (صفحہ ۲۲)	چونکہ ان لوگوں کو اصحاب صفہ سے خاص محبت تھی اسلئے یہ صوفی کہلائے، ایک اور جماعت اس لفظ کا اشتقاق لفظ صفا سے بتاتی ہے اور ہر گروہ اپنی تائید میں خوب خوب نکتہ پیدا کرتا رہتا ہے

لیکن لغت سے کسی قول کی بھی تائید نہیں ہوتی،

شیخ کے نزدیک صوفی وہ ہے جس کا قلب "صفا" (صفائی) سے لبریز ہو اور "کدر" (گندگی) سے خالی ہو، اور اس مرتبہ تک کاملان ولایت ہی پہونچ سکتے ہیں،

"صفا ضد کدر بود و کدر صفت بشر بود، و بہ حقیقت صوفی بود آنکہ از او کدر گزر بود" (صفحہ ۲۳)

"صوفی نامے ست کہ مر کاملان ولایت را محققاں بدیں نام خوانده اند" (صفحہ ۲۵)

چنانچہ دور اول کے مشائخ طریقت میں سے کسی بزرگ کا قول ہے کہ

من صفاه الحب فهو صاف و من صفاه الحبيب فهو صوفی (صفحہ ۲۵)	جس کسی کو محبت صاف کرے وہ صافی ہے اور جسے محبوب اپنے لئے صاف کرے وہ صوفی ہے،

اہل تصوف کے تین طبقے یا درجے ہیں، صوفی، متصوف، مستصوف، تینوں کی تعریف شیخ ہی کے لفظوں میں سننے کے قابل ہے:

صوفی آں بود کہ از خود فانی بود و بحق باقی و از قبضہ طبائع رستہ و بہ حقیقت پیوستہ، و متصوف آنکہ بمجاہده ایں درجہ را	صوفی وہ ہے جو اپنے نفس سے فانی ہو کر حق میں زندہ و باقی ہو، اور مادیت سے گذر کر حقیقت تک رسائی حاصل کر چکا ہو،

ہمی طلبید واندر طلب خود را بر
معاملت ایشاں درست ہمی کنند
ومستصوف آنکہ از برائے مال ومنال
وجاہ وحظ دنیا خود را مانند ایشاں
کردہ واز ایں ہر دو چیز ہیچ خبر ندارد
تا حدے کہ گفتہ اند المستصوف
عند الصوفیۃ کالذباب وعند غیرہم عہ
کالذباب، (ص۲۵)

اور متصوف وہ ہے جو مجاہدہ کر کر کے
یہ راہ طے کر رہا ہو، اور اس منزل تک
رسائی کی کوشش میں ہو، اور مستصوف وہ
ہے جو محض جاہ ومال کیلئے دنیا طلبی کی
خاطر، اپنے کو صوفیہ ومتصوفہ کے مثل
بنائے، اور حقیقۃً ان دونوں سے اسے
بہرہ نہ ہو، کسی نے خوب کہا ہے کہ مستصوف
صوفی کی نظر میں مکھی کی طرح حقیر ہوتا ہے اور

عہ دوسروں کی نظر میں بھیڑیے کی مانند جس کی غذا ہی گوشت اور خون ہے،

شیخ عالم معانی وحقائق ہی کے سیاح نہیں بلکہ شیخ سعدیؔ کی طرح لفظی صنعت گری کے بھی ماہر ہیں، اور کتاب میں ادب وانشار کے جلوے بار بار دکھاتے گئے ہیں، یہاں بھی آگے جو عبارت لکھی ہے، نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو:۔

صوفی صاحب وصول بود ومتصوف
صاحب اصول ومستصوف صاحب
فضول،

صوفی صاحب وصول ہوتا ہے کہ اسے
وصل مقصود ہو چکا ہوتا ہے متصوف
صاحب اصول ہوتا ہے کہ اصل صحیح پر
قائم رہ کر احوال طریقت میں مشغول
رہتا ہے، اور مستصوف صاحب فضول
ہوتا ہے کہ اس کی قسمت میں حقیقت
مجوبی اور معانی سے محرومی ہوتی ہے،

قدیم ترین صوفیہ نے صوفی اور تصوف کی جو تعریفات بیان کی ہیں، شیخ نے انھیں بھی

سنداً پیش کیا ہے، اور دور تک انھیں پیش کرتے چلے گئے ہیں، (صفحہ ۲۶-۲۹) مثلاً

(۱) الصوفی اذا نطق بان نطق عن الحقائق وان سکت نطقت عنہ الجوارح بقطع العلائق (ذوالنون مصریؒ)

حضرت ذوالنون مصریؒ کہتے ہیں کہ صوفی وہ ہے کہ جب وہ گفتار میں آتا ہے تو اسکی زبان حقائق کی ترجمان ہوتی ہے، اور جب خاموش ہوتا تو اس کے اعضا قطع علائق پر زبان ہیں۔

۱؎ مطالب سے بہت دور ترجمہ ہے

(۲) التصوف نعت اقیم العبد فیہ قیل نعت للعبد ام للحق فقال نعت الحق حقیقۃ ونعت العبد رسما (جنید بغدادیؒ)

حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے کہ تصوف وہ صفت ہے جس میں بندہ کی اقامت کی گئی (یعنی اس کی ہستی ہے) لوگوں نے پوچھا کہ یہ صفت بندہ کی ہے یا حق کی؟ جواب دیا

۲؎ اصل متن بھی غلط و نامکمل ہے

(۳) التصوف ترک کل حظ للنفس (ابوالحسن نوریؒ)

حضرت ابوالحسن نوریؒ کا قول ہے کہ تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کا نام ہے

(۴) الصوفیۃ هم الذین صفت ارواحهم نصاروا فی الصف الاول بین یدی الحق (ایضاً)

انہی بزرگ کا یہ بھی قول ہے کہ صوفی وہ لوگ ہیں جن کی روحیں (آلائشوں سے) پاک ہو چکی ہیں اور وہ رب العزت کے حضور میں صف اول میں حاضر ہیں

(۵) الصوفی الذی لا یملک ولا یملک (ایضاً)

انہی بزرگ سے یہ بھی منقول ہے کہ صوفی وہ ہے جو نہ خود کسی چیز کا مالک ہو اور نہ کوئی اس کا مالک ہو،

(٦) التصوف رؤیة الکون بعین النقص بل غض الطرف عن الکون (ابو عمرو دمشقیؒ)

ابو عمرو دمشقیؒ ارشاد کرتے ہیں کہ تصوف نام ہے کائنات کی جانب عیب جوئی کی نگاہ سے دیکھنے کا، بلکہ سرے سے نہ دیکھنے کا،

(٧) التصوف شرک لانه صیانة القلب عن رؤیة الغیر ولا غیر (شبلیؒ)

شیخ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف ایک طرح کا شرک ہے، اس لئے کہ یہ نام ہے قلب کو غیر سے بچانے کا، حالانکہ غیر کا وجود ہی سرے سے نہیں،

(٨) التصوف صفاء السر من کدورة المخالفة (حصریؒ)

شیخ حصریؒ کا ارشاد ہے کہ تصوف نام ہے قلب کو مخالفت حق کی کدورت سے پاک رکھنے کا،

(٩) الصوفی لا یری فی الدارین مع اللہ غیر اللہ (شبلیؒ)

شبلیؒ سے یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ صوفی دونوں جہانوں میں اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھتا،

(١٠) التصوف اسقاط الرؤیة للحق ظاهراً و باطناً، (علی بن بندار نیشاپوری)

شیخ علی بن بندار نیشاپوری کا ارشاد ہے کہ تصوف یہ ہے کہ بجز حق ہی کے ظاہر اور باطن میں اور کچھ نظر نہ آئے،

اسی باب میں اہل تصوف کے مزید خصوصیات، ان کے معاملات اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی اور ان کی کوششوں کو بیان کیا ہے،

(٤) باب فی لبس المرقعات (صفحہ ٣١-٣٩)

اس چوتھے باب میں مرقع پوشی، یعنی پیوند لگے ہوئے لبادہ اور گدڑی پہننے کی

فضیلت کا ذکر ہے، اور اس دستور کو سنت رسولؐ اور آثار صحابہ سے ثابت کیا ہے،

(۵) باب فی ذکر اختلافھم فی الفقر والصفوۃ (صفحہ ۳۶-۴۲)

اس باب میں اس مسئلہ پر بحث ہے کہ فقر اور صفا دونوں میں افضل کون ہے؟ بعض صوفیہ نے فقر کو ترجیح دی ہے، اور بعض نے صفا کو، شیخ نے محاکمہ کرنا چاہا ہے پھر بھی بحث تشنہ رہ گئی ہے،

(۶) باب الملامت (صفحہ ۴۲-۴۷)

اس باب میں آیۂ قرآنی ولا یخافون لومۃ لائم ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء (مائدہ - آیت ۵۴) کی تفسیر میں طریق ملامت کی ستائش کی ہے، اور یہ دکھایا ہے کہ اہل حق راہ حق میں کسی ملامت کی پروا نہیں کرتے، بلکہ خلق کی نظر میں رسوا اور مطعون ہوکر اپنی للہیت اور حق پرستی کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں، اس طریق کے نشر و اشاعت کا سہرا شیخ ابو حمدون قصار کے سر ہے،

حصول ملامت کی ممکن صورتیں تین ہیں،

(۱) پہلی صورت "راست رفتن" یعنی معمولی طور پر راہ راست پر چلتے رہنے کی ہے، خلقت اس پر بھی اگر ملامت کرنے لگے، تو یہ خواہ مخواہ کی ملامت ہوگی،

(۲) دوسری صورت "قصد کردن" کی ہے، یعنی بالقصد ایسے فعل کا ارتکاب کرنا جس سے نفس کے حب جاہ کو صدمہ پہونچے، اور لوگ زبان طعن دراز کریں،

(۳) تیسری صورت "ترک کردن" کی ہے، یعنی قصداً کوئی عمل خلاف شریعت کرنا، یہ طریقہ سرتاسر نامحمود ہے، اور نتیجہ "کفر و ضلالت طبعی" ہوتا ہے،

آج جو سبز پوش یا سرخ پوش یا زرد پوش یا کسی اور رنگین لباس میں ملبوس

اپنے کو سلسلۂ ملامتیہ میں منسلک بتاتے اور طرح طرح کی خلاف شرع حرکتیں علانیہ کرتے رہتے ہیں، وہ عموماً اسی تیسرے طریقہ "ترک کردن" پر عامل ہیں، اور اپنی ان فاسقانہ بلکہ نیم کافرانہ روش کا نام فقر و تصوف رکھا ہے، شیخؒ نے گویا اسی طبقہ کو پیش نظر رکھ کر الفاظ ذیل لکھے ہیں :۔

آنکہ طریقش ترک باشد و خلافت شریعت چیزے بردست گیرد و گوید کہ من طریق ملامت می ورزم آں ضلالت واضح باشد و آفت ظاہر و ہوس صادق، چنانچہ اندریں زمانہ بسیارے ہستند کہ مقصود شاں اندر خلق قبول ایشاں بود (ص۳۳)

[illegible]

تو جو کوئی اس طریق ترک کو اختیار کرتا ہے، اور کسی خلاف شریعت عمل کو کرکے کہتا ہے کہ میں اصول ملامتیہ کی پیروی کر رہا ہوں، تو اس کا یہ فعل کھلی ہوئی گمراہی اور روشن معصیت اور تمامتر نفسانیت ہے، چنانچہ آجکل بہتیرے لوگ ایسے پیدا ہوگئے ہیں جنکا م

اس کے آگے اپنا ایک ذاتی تجربہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ان کا ایک اسی طرح کے مصنوعی ملامتی کا ساتھ ہوگیا، اُس نے کوئی بدکرداری کی، اور اس سے یہی غرض ظاہر کی کہ ملامت حاصل ہو، ایک رفیق نے اس کے اس فعل پر اعتراض کیا، اس پر اُس نے آہ سرد کھینچی، شیخ نے کہا اگر ملامتی ہونے کے مدعی ہو اور اپنے اعتقاد میں سچے ہو تو اس رفیق کا ٹوکنا تمھیں گراں کیوں گذرا، تمھیں تو اور خوش ہونا چاہئے کہ جو مقصود تھا (یعنی ملامت) وہی حاصل ہو رہا ہے،

شیخؒ کا یہ فقرہ بھی آج کل کے شریعت شکن دعویداران مشیخت و کرامت کے لئے بہت قابل غور ہے :۔

ہر کہ خلق را دعوت کند با مرے از
حق مر آں را برہانے باید برہان
آں حفظ سنت باشد، چوں از تو
ترک فریضہ بینیم و تو خلق را بداں
دعوت می کنی ایں کار از دائرۂ اسلام
بیروں می باشد (ص ۴۵)

جو شخص خلق کے سامنے دعوت حق
لیکر اُنے کا مدعی ہوتا ہے، اُسے اپنے
دعوے کے ثبوت میں کوئی دلیل بھی لانا
چاہیئے اور یہ دلیل سنت رسول کی پابندی
ہے، تم دعوت حق کے مدعی ہو، مگر جب
تم نے ترک فریضہ کردیا تو یہ فعل دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

(۷) باب ذکر ائمتھم من الصحابۃ (صفحہ ۴۷-۵۱)

اس باب میں خلفاء اربعہ کا ذکر ہے، جو تمام صوفیوں کے سرگروہ و پیشوا ہوئے ہیں، اور اس میں قدرۃً سب سے زیادہ اہمیت حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کو دی گئی ہے، حضرت صدیقؓ کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:۔

"شیخ الاسلام و بعد از انبیاء خیر الانام، خلیفہ و امام، سید اہل تجرید و شاہنشاہ ارباب تفرید از آفات انسانی بعید، امیر المومنین ابو بکر عبد اللہ الصدیق کہ وے را کرامات مشہور است و آیات و دلائل ظاہر...... و مشایخ وے را مقدم ارباب مشاہدت نہند"

اور علی مرتضیٰؓ کا ذکر ان الفاظ میں ہے:۔

"برادر مصطفےٰ و غریق بحر بلا و حریق نار ولا، مقتدائے جملہ اولیاء و اصفیاء ابو الحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ و را اندریں طریقت شانے عظیم و درجۂ رفیع بود ...... تا حدے کہ جنید گوید رحمۃ اللہ علیہ شیخنا فی الاصول و البلاء علی مرتضیٰ شیخ ما اندر اصول و اندر بلا کشیدن علی مرتضیٰ ست یعنی امام ما اندر علم طریقت

ومعاملات آں علی مرتضیٰ ست...... اہل ایں طریقت اقتدا کنند بدو اندر
حقائق عبادات ودقائق اشارات وتجرید از علوم دنیا وآخرت ونظارۂ
اندر تقدیر حق، و لطائف کلام وے بیشتر ازاں ست کہ بہ عدد اندر آید (صفحہ ۵۱)

تقریباً ایسے ہی شاندار الفاظ میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ
کے بھی مبارک تذکرے ہیں،

(۸) باب فی ذکر ائمتہم من اہل البیت (صفحہ ۵۱-۵۸)

یہ باب خاندان نبوی کے اخلاف صالحین کے کمالات ومناقب پر مشتمل ہے
خصوصاً سیدنا حضرت حسنؓ وسیدنا حضرت حسینؓ، حضرت زین العابدین علی بن حسینؓ
حضرت ابو جعفر محمد باقرؒ، حضرت جعفر صادقؓ کے کمالات وکرامات پر،

(۹) باب فی ذکر اہل الصفۃ (صفحہ ۵۸-۶۰)

اصحاب صفہ کے حالات میں شیخ نے اپنی ایک مستقل تصنیف منہاج الدین
کا حوالہ دیا ہے، اور اس باب میں صرف ان کے اسمائے گرامی کو شمار کردیا ہے،

(۱۰) باب فی ذکر ائمتہم من التابعین (صفحہ ۶۰-۶۳)

یہ باب اویس قرنی، ہرم بن حیان، حسن بصری اور سعید بن المسیب
رحمۃ اللہ علیہم کے تذکروں پر مشتمل ہے، گویا تابعین میں صوفیہ کے سرخیل، پیشوا
یہ حضرات ہوئے ہیں، حسن بصری طبقۂ مفسرین میں اور سعید بن المسیب طبقۂ
فقہا میں جانے پہچانے ہوئے نام ہیں،

(۱۱) باب فی ذکر ائمتہم فی تبع التابعین (صفحہ ۶۳-۱۱۲)

اس باب کے تحتانی عنوانات ۴۶ ہیں، اور ہر عنوان ایک ایک بزرگ

کے تذکرہ کے لئے وقف ہے، امام ابوحنیفہ، امام شافعیؒ، مالک بن دینار، احمد حنبلؒ، حبیب عجمیؒ، ذوالنون مصریؒ، داؤد طائیؒ، معروف کرخیؒ، ابراہیم ادھمؒ، سری سقطیؒ، فضیل بن عیاضؒ، جنید بغدادیؒ، ابوبکر شبلیؒ، منصور حلاجؒ، ان چند پر سارے عنوانات کو قیاس کر لیا جائے، گویا طبقہ تبع تابعین کے اکابر صوفیہ کی فہرست ابوحنیفہ شافعی واحمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے اسمائے گرامی سے شروع ہوتی ہے،

(۱۲) باب فی ذکر ائمتھم من المتاخرین (صفحہ ۱۱۶-۱۲۳)

متاخرین صوفیہ میں جن دس بزرگوں کے حالات درج کئے ہیں، ان میں شیخ ابوالحسن خرقانیؒ اور امام ابوالقاسم قشیریؒ کے نام خاص طور پر قابل لحاظ ہیں،

(۱۳) باب فی ذکر رجال الصوفیۃ من المتاخرین علی الاختصار من اھل البلدان (صفحہ ۱۲۳-۱۲۶)

یہ گویا باب ماقبل کا تکملہ ہے، اس میں معاصر صوفیہ کا تذکرہ ہے، اور ان کے طبقات کو ان کی وطنیت کی بنا پر تقسیم کیا ہے، مثلاً صوفیۂ شام و عراق، صوفیۂ پارس، صوفیۂ قہستان، آذربائیجان و طبرستان، صوفیۂ کرمان، صوفیہ خراسان، صوفیۂ ماوراءالنہر، صوفیۂ غزنین،

(۱۴) باب فی فرق فرقھم فی مذاھبھم، (صفحہ ۱۲۶-۲۰۰)

کتاب کا سب سے طویل و ضخیم باب یہی ہے، اس میں صوفیہ کے مختلف سلسلے ان کے اصول اور باہمی اختلافات کا ذکر ہے

اس وقت تک حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مستقل [illegible] بارہ سلسلے تھے، ان میں سے دس مقبول اور اہل حق تھے، اور باقی دو مردود

اہلِ باطل تھے،

دس مقبول سلسلوں کے نام مع ان کے بانیوں کے حسب ذیل ہیں:۔

(۱) محاسبیہ۔ (عبداللہ بن حارث محاسبیؒ)

(۲) قصاریہ۔ (ابو حمدان قصارؒ)

(۳) طیفوریہ۔ (بایزید بسطامیؒ)

(۴) جنیدیہ۔ (جنید بغدادیؒ)

(۵) نوریہ۔ (ابوالحسن نوریؒ)

(۶) سہیلیہ۔ (سہل تستریؒ)

(۷) حکیمیہ۔ (حکیم ترمذیؒ)

(۸) خرازیہ۔ (ابو سعید خرازؒ)

(۹) خفیفیہ۔ (ابو عبداللہ خفیفؒ)

(۱۰) سیاریہ۔ (ابوالعباس سیاریؒ)

گیارہویں سلسلہ کا نام جو مردود دین اور اہلِ ضلالت کا ہے، سلسلۂ حلولیہ ہے اس کا بانی ابو حلمان دمشقی ہوا ہے، بارہویں سلسلہ کا نام کہ وہ بھی مردود ہے درج کتاب نہیں، اس کا انتساب فارس کی جانب کیا جاتا ہے[1]، (ص ۱۹۵)

اس باب میں تصوف کے اکثر مہمات مسائل پر بحث آگئی ہے اگر ضمناً۔ نوعیت مضامین کا اندازہ چند تحتانی ابواب کے عنوانات سے ہوگا، حقیقت رضا، فرق بین حال ال

---

[1] ملا جامی نے پورا نام فارس بن عیسیٰ بغدادی لکھا ہے، منصور حلاج کا مرید بتایا ہے اور بزرگوں میں شمار کیا ہے، (صفحہ ۱۶۲، ۱۶۴۔ نفحات الانس، مطبوعہ کلکتہ)

الکلام فی السکر والصحو، الکلام فی حقیقۃ النفس ومعنی الھویٰ، الکلام فی مجاہدۃ النفس، الکلام فی حقیقۃ الھویٰ، الکلام فی اثبات الولایت، الکلام فی اثبات الکرامت، الکلام فی البقا والفنا، الکلام فی الغیبتہ والحضور، الکلام فی الجمع والتفرقہ، تفضیل الانبیا والاولیا علی الملائکۃ وقس علیٰ ہذا،

یہاں تک کتاب کا گویا تاریخی اور تنقیدی حصہ تھا، اس کے بعد سے مستقلاً مسائل سلوک کی تشریح شروع ہوتی ہے، اور کشف المحجوب میں حجابات کا کشف ہونے لگتا ہے، شیخ نے حجابات کی تعداد گیارہ قرار دی ہے، اور بعد کے ہر باب میں ایک ایک حجاب کو اٹھایا ہے، ہر باب کئی کئی حصوں میں تقسیم ہے، عنوانات ابواب پر سرسری نظر کافی ہوگی،

(۱۵) کشف الحجاب الاول فی معرفۃ اللہ صفحہ ۲۰۰ تا صفحہ ۲۰۸،

(۱۶) " " الثانی فی التوحید صفحہ ۲۰۸ تا صفحہ ۲۱۵،

(۱۷) " " الثالث فی الایمان صفحہ ۲۱۵ تا صفحہ ۲۱۹،

(۱۸) " " الرابع فی الطہارۃ صفحہ ۲۱۹ تا صفحہ ۲۲۶، (ایک تحتانی باب توبہ ومتعلقات توبہ پر ہے)

(۱۹) " " الخامس فی الصلوٰۃ صفحہ ۲۲۶ تا صفحہ ۲۳۹، (ایک تحتانی باب محبت ومتعلقات محبت پر ہے)

(۲۰) " " السادس فی الزکوٰۃ صفحہ ۲۳۹ تا صفحہ ۲۴۴، (ایک تحتانی باب جود وسخا پر ہے)

(۲۱) " " السابع فی الصوم صفحہ ۲۴۴ تا صفحہ ۲۵۰ (ایک تحتانی باب بھوک پر ہے)

(۲۲) " " الثامن فی الحج صفحہ ۲۵۰ تا صفحہ ۲۵۰، (ایک تحتانی باب مشاہدہ پر ہے)

(۲۳) کشف الحجاب التاسع فی الصحبۃ ص۲۵۷ تا ص۲۸۶

صحبت کو جو مرتبۂ اہمیت سلوک و طریقت میں حاصل ہے، اس کے لحاظ سے یہ بالکل قدرتی ہے کہ یہ باب مبسوط و مفصل ہو آداب و احکام صحبت کی تفصیل میں یہ باب بجائے خود دس تحتانی ابواب پر تقسیم ہے، بعض کے عنوانات حسب ذیل ہیں:۔

باب آدابھم فی الصحبۃ، باب آدابھم فی السفر، باب آدابھم فی الاکل باب آدابھم فی المشی، باب آدابھم فی الکلام والسکوت، باب آدابھم فی التزویج والتجرید،

(۲۴) کشف الحجاب العاشر فی بیان منطقھم وحدود الفاظھم و حقائق معانیھم (ص۲۸۶ تا ص۳۰۶)

اس باب میں پہلے ارباب سلوک و طریقت کے مصطلحات کا ذکر ہے، ان کے معنی اور ان کے باہمی فرق کی تشریح ہے،

مثلاً حال و وقت، مقام و تمکین، محاضرات و مکاشفات، قبض و بسط، لطف و انس و ہیبت، نفی و اثبات، علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، علم معرفت و شریعت و حقیقت، وغیرہ،

مباحث کی نوعیت کا اندازہ اقتباس ذیل سے ہوگا، بیان شریعت و حقیقت کے تعلق باہمی کا ہو رہا ہے،

شریعت فعل بندہ بود و حقیقت	شریعت بندہ کا فعل ہے اور داشت
داشت خداوند و حفظ و عصمت	خداوندی، حفظ و عصمت الٰہی کا نام
وے پس اقامت شریعت بے وجود	حقیقت ہے، پس شریعت کا تحقق

حقیقت محال باشد و اقامت
حقیقت بے حفظ شریعت ہم محال،
و مثال ایں چوں شخصے باشد زندہ
بر جان و چوں جان از وے
جدا شود آں شخص مردارے
باشد و جان چوں بادے کہ قیمت
شاں از مفارقت یک دیگر ست
ہمچنیں شریعت بے حقیقت ریا
بود و حقیقت بے شریعت نفاق،
و خداوند گفت "والذین جاھدوا
فینا لنھدینھم سبلنا" مجاہد
شریعت آمد و ہدایت حقیقت،
آں یکے حفظ بندہ باشد مر احکام
ظاہر را بر خود و آں دیگر حفظ حق
بود مر احوال باطن را بر بندہ پس
شریعت از مکاسب بود و حقیقت
از مواہب (صفحہ ۳۰)

بلا وجود حقیقت کے محال ہے، انکے
باہمی تعلق کی مثال روح و جسم کے
اتصال کی ہے، جب تک انسان زندہ ہے
دونوں متصل ہیں، جب روح نکل گئی تو
جسم مردہ ہوگیا، اور روح خود بس اب
ہوا ہو گئی، دونوں کی اہمیت و قدر اسی
وقت تک ہی جب تک ایک دوسرے کے
شریک و رفیق ہیں، اسی طرح شریعت بغیر
مغز حقیقت کے ایک ریاکاری ہی، اور
حقیقت بھی بغیر امتزاج شریعت کے
منافقت ہی، قرآن مجید میں ہی کہ جو لوگ
ہماری راہ میں جد و جہد کرتے رہتے ہیں
انھیں ہم اپنی راہیں دکھا کر رہیں گے، اس
مجاہدہ (جد و جہد) کا نام شریعت ہی،
اور جو ہدایت (راہ یابی) اس پر مرتب
ہوتی ہی، اسکا نام حقیقت ہی، شریعت کا
ما حصل احکام ظاہر کی تعمیل ہی، اور حقیقت

م کا خلاصہ احوال باطن کا اپنے اوپر طاری کرنا، شریعت بندہ کے اختیار کی چیز ہے، اور حقیقت عطیۂ الٰہی ہے،

اس کے بعد مختصر طور پر اور بہت سے مصطلحات صوفیہ، مثلاً حق، حقیقت، ذات، صفت
و جوہر کے معنی درج کئے ہیں،

(۲۵) کشف المحجاب الحادی عشر فی السماع، ص۳۰۶ تا ص۳۲۹

کتاب کا یہ آخری جزو بجائے خود دس بابوں میں تقسیم ہے، باب سماع القرآن، باب سماع الشعر، باب سماع الاصوات والالحان، باب فی احکام السماع، باب: خلاف قہم فی السماع، باب مراتبھم فی السماع، باب فی الوجد والتواجد باب فی الرقص، باب فی الخرق، باب فی آداب السماع،

یشیخؒ کے نزدیک سماع کی بہترین صورت سماع آیات قرآنی ہے، فرماتے ہیں

"اولیٰ ترین سماع مسموعات مردل را بہ فوائد سر را بہ زوائد و گوش را بہ لذت کلام خداوند عز اسمہ ست و مامورند ہمہ مومنان و مکلف اند ہمہ کافران از آدمی و پری بشنیدن کلام ایزد تعالیٰ (ص۳۰۶)

سماع قرآن کی افضلیت تو بہر حال کسی مسلمان کے لئے قابل بحث ہے ہی نہیں، گفتگو جو کچھ ہے وہ سماع مصطلح یعنی غنا یا شعر کو لحن کے ساتھ سننے میں ہے، شیخ خود صاحب سماع تھے، اور اپنے عمل کی تائید میں آثار صحابہؓ بلکہ عمل رسولؐ تک رکھتے تھے، (ص۳۱۲ و ص۳۱۳) چنانچہ ابو عبد الرحمن سلمی کی کتاب السماع کا حوالہ دیا ہے، جس میں انھوں نے جواز سماع کی تائید میں احادیث رسولؐ و آثار صحابہ کو نقل کیا ہے، (ص۳۱۶) تاہم فرماتے ہیں کہ

مراد مشایخ متصوفہ ازیں طلبید ن بجز اباحت ست از آنچہ اعمال فوائد باید، اباحت طلبیدن کار عوام باشد، و بر محل مباح ستوران بسندگان	مشایخ صوفیہ کو تلاش اباحت سماع کی نہیں رہتی، اس لئے کہ کسی عمل کو اسکی اباحت کی بناء پر نہیں اس کے فوائد کی بناء پر اختیار کرنا چاہئیے اباحت تو

مکلف را باید کہ از کردار فائدہ
طلبند

اباحت میں صرف عوام رہتے ہیں، سند
جواز چوپایوں کے لئے کافی ہو سکتی ہے،
انسان کے لئے تکلیف شرعی رکھی گئی
ہے، اسے چاہئے کہ کسی عمل کو اس کے

[illegible]

اس کے آگے اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کرتے ہیں، جو اس مسئلہ پر بہت سلجھے ہوئے قول فیصل کا حکم رکھتا ہے، اور بہت سے پہلوؤں کا جامع ہے، کہتے ہیں :۔

وقتے من بہ مرو بودم، یکے از ائمہ اہل حدیث
کہ معروف ترین ایشاں بود مرا گفت
کہ من اندر اباحت سماع کتابے کردم،
گفتم بزرگ مصیبتے کہ اندر دین
پدیدار آمد کہ خواجہ امام لہوے راکہ
اصل ہمہ فسقہا ست حلال کرد مرا گفت
پس اگر حلال نمی دانی، تو چرا می کنی،
گفتم حکم ایں بر وجوہ ست، بریک
چیز قطع نتوان کرد، اگر تاثیر اندر
دل حلال بود سماع حلال بود
و اگر حرام بود حرام، اگر مباح بود
مباح، چیزے راکہ حکم ظاہرش
فسق است و اندر باطن حالش

ایک زمانہ میں میں مرو میں تھا، ایک وہاں
کے مشہور ترین امام اہلحدیث نے مجھ سے
کہا کہ میں نے جواز سماع پر ایک کتاب تصنیف کی
ہے، میں نے کہا کہ حضرت یہ تو آپ نے بڑا غضب کیا
کہ ایسے لہو کو حلال کر دیا جو ہر فسق کی جڑ ہے،
اس پر وہ بولے کہ اگر آپ حلال نہیں
سمجھتے تو پھر خود کیوں سنتے ہیں؟ میں نے
جواب دیا کہ اس کا حکم مختلف حالات
پر منحصر ہے، کوئی ایک حکم قطعی طور پر
نہیں لگایا جا سکتا اگر سماع سے
دل میں اثرات بھی حلال قسم کے پیدا
ہوں تو سماع حلال ہے، اور اگر حرام
قسم کے پیدا ہوں تو حرام ہے، اگر

روشن بر وجوہ است، اطلاق آں به یک چیز محال باشد (ص ۳۱۶)

ترجمہ: مباح پیدا ہوتے ہوں تو مباح ہے ایسی چیز کہ جس کے ظاہر پر حکم فسق کا ہے اور جس کا باطن مختلف احوال کا تابع ہے، اس پر کوئی ایک قطعی حکم لگا دینا

کتاب کے آخری جزو کے آخری باب کا عنوان آداب السماع ہے، اور اس پر گویا شیخؒ نے آداب و اصول طریقت کا خاتمہ کر دیا ہے، اس میں شیخ نے شرائط سماع حسب ذیل تحریر کئے ہیں:۔

(۱) خواہ مخواہ اور تکلف کر کے سماع نہ سنے، جب تقاضا از خود غالب ہو، اس وقت سُنے،

(۲) سماع بہت کثرت سے کبھی نہ سنے کہ طبیعت اس کی خوگر ہو جائے، کبھی کبھی سنے تاکہ ہیبت سماع دل پر قائم رہے،

(۳) مرشد یا شیخ طریقت محفل سماع میں موجود رہے،

(۴) محفل میں عوام شریک نہ ہوں،

(۵) قوال پاکباز ہو، فاسق نہ ہو،

(۶) قلب مکروہات دنیوی سے خالی ہو،

(۷) طبیعت لہو ولعب کی جانب آمادہ نہ ہو،

(۸) تکلف واہتمام نہ کیا جائے،

تاثیر سماع کے چند موثر واقعات وحکایات درج کرنے کے بعد، اور یہ تسلیم کر کے کہ سماع بعض صورتوں میں اور بعض موقعوں پر نفس انسانی کا بڑا مصلح ہوتا ہے

شیخ اپنے کو یہ تلخ تجربہ بھی قلمبند کرنے پر مجبور پاتے ہیں کہ،

اندریں زمانہ گروہے گمشدگان
اس زمانہ میں گمراہوں کا ایک بڑا

بہ سماع فاسقاں حاضر شوند
گروہ پیدا ہوگیا ہے، یہ فاسقوں

وگویند کہ سماع از حق می کنیم
کی محفل سماع میں شریک ہوتا ہے

وفاسقاں از آنکہ ایشاں
اور کہتا ہے کہ ہم سماع حق کیلئے

مر ایشاں را اندراں موافقت
سنتے ہیں، حالانکہ فاسق اس سے

کنند بر سماع کردن وبہ فسق
فسق وفجور پر اور زیادہ حریص ہوجاتے

وفجور حریص تر شوند تا خود
ہیں، یہاں تک کہ یہ اور وہ دونوں

ایشاں ہلاک شوند (صـ۳۶۱)
برباد ہوجاتے ہیں،

حالانکہ سماع کی غایت تو یہ ہونی چاہئے، کہ

فائدہ ایں حکایت آن ست
مرید کو سماع میں ایسی کیفیت

کہ مرید را اندر غلبۂ سماع
پیدا ہو جائے، جس سے وہ کفر وفسق

حال چنداں بباید کہ سماع ورا
فسق سے نجات پا جائیں،

(کشف المحجوب ص ۴۸۳)

شیخ تمامتر منکرین سماع میں نہیں، جب ان کا معیار یہ تھا، تو انہی کے معیار سے آج نوسو سال کے بعد جب فضا کہیں بڑھ کر فاسقانہ اور ماحول کہیں بڑھ کر طاغیانہ ہوچکا ہے، آج کی قوالی کی محفلیں، جن میں شریک ہونے والے خواص سے کہیں زیادہ عوام ہوتے ہیں، اور پیشہ ور قوال تو گویا تمامتر ہی فسق پیشہ ہوتے ہیں، اور ستار اور ہارمونیم اور طرح طرح کے باجوں کا رواج عام طور سے ہو چکا ہے، کس حکم میں داخل ہونگی؟

باب (۳)[۱]

رسالۃ القشیریہ

(امام ابو القاسم قشیریؒ)

مصنف

تذکروں میں حالات بہت ہی مختصر ملے، اسم گرامی ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری تھا، لقب زین الاسلام، مولد خراسان، مدفن نیشاپور،

تاریخ ولادت بہ قول شیخ الاسلام زکریا انصاری شارح رسالہ ربیع الاول ۳۷۶ھ ہے، تاریخ وفات ۱۶ ربیع الثانی ۴۶۵ھ ہے، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں، عمر اس حساب سے ۸۹ سال کی ہوتی ہے،

ابھی بچہ تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، ابتدائی تعلیم ابو القاسم یمانی

---

[۱] ماخذ:- (۱) تذکرۃ الاولیاء عطار جلد (۵) نفحات الانس جامی (مطبوعہ کلکتہ)
(۲) مدینۃ العلوم، قلمی مملوکہ شفاء الملک حکیم عبد الحبیب دریابادی (۶) رسالۃ القشیریہ مطبوعہ مصر، سرورق
(۳) سفینۃ الاولیاء، دارا شکوہ (۷) تاریخ بغداد خطیب بغدادی،
(۴) بستان المحدثین شاہ عبد العزیز دہلوی (مطبوعہ لاہور) ۱۲ مجلدات مطبوعہ مصر،

سے حاصل کی، یہ عربی زبان وادب کے ایک نامور استاد تھے، خدارسی کے شوق میں شیخ وقت ابو علی دقاق کی خدمت میں حاضر ہوئے، ارشاد ہوا کہ پہلے علوم دینی میں کمال حاصل کرو، حکم کی تعمیل میں تفسیر، حدیث، کلام، اصول، فقہ، نحو، شعر، وغیرہ جو علوم بھی متداول تھے، ان میں مہارت حاصل کی، جن جن استادوں سے استفادہ کیا، وہ اپنے وقت کے بہترین ماہرین فن تھے، مثلاً ابوالحسن بن بشروق، ابونعیم اسفراینی، ابوبکر طوسی، ابوبکر فورک، ابو اسحق اسفراینی وغیرہم،

علوم ظاہری سے فراغت کے بعد ابو علی دقاق کی خانقاہ تصوف و فقر میں قدم رکھا اور ان ہی کی صاحبزادی سے عقد بھی کیا[1]،

ان کی وفات کے بعد شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی (صاحب طبقات الصوفیہ) سے مستفید ہوتے رہے، بیعت شیخ دقاقؒ ہی سے تھی، رسالہ میں ان کا ذکر خاص عقیدت کے ساتھ کیا ہے، اور ان کے نام کے ساتھ لقب استاد کا اضافہ کرتے گئے ہیں،

تصانیف متعدد چھوڑیں، مختلف فنون پر ادر فاضلانہ، شیخ ہجویریؒ باوجود معاصر فرماتے ہیں:-

"اندر ہر فن اور الطائف بسیار است و تصانیف نفیس جملہ با تحقیق"

(کشف المحجوب ص ۱۳۱)

شاہ عبد العزیز دہلویؒ نے تصانیف ذیل کی تصریح کی ہے،

(۱) رسالۃ القشیریہ (۲) نحو المقلوب،

---

[1] یہیں سے ہمارے زمانہ کے جاہل مشائخ اور پیرزادوں کے اس خیال کی بھی تردید ہو رہی ہے کہ شیخ کی لڑکی سے نکاح کرنا سوءِ ادب میں داخل ہے،

(٣) ایک عظیم الشان تفسیر القرآن؎ (٤) لطائف الاشارات،

(٥) کتاب الجواہر (٦) کتاب احکام السماع،

(٧) کتاب آداب الصوفیہ (٨) کتاب عیون الاجوبۃ،

(٩) کتاب المناجات (١٠) کتاب المنتہی،

مدینۃ العلوم میں جو فہرست تصانیف دی ہے، وہ اس سے کسی قدر مختلف ہے عبادت میں شغف و اہتمام کا اندازہ اس سے ہوگا کہ مرض الموت میں نفلیں تک نہ چھوٹنے پائیں، اور نمازیں برابر کھڑے ہوکر ادا کرتے رہے،

سلوک و طریقت میں جو پایہ رکھتے ہیں اس کا حال معاصر بزرگ شیخ ہجویری کی زبان سے سنئے:۔

استاد امام و زین الاسلام
ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن
القشیری اندر زمانہ خود بدیع
بود و قدر ش رفیع و منزلتش
بزرگ و معلوم است اہل زمانہ
را روزگار وے و انواع فضلش
و اندر ہر فن او را لطائف بسیاری

استاد امام و زین الاسلام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری اپنے زمانہ میں فرد تھے اور بڑے بلند پایہ، ان کی عظمت اور ان کا علم و فضل سب کو معلوم و مسلّم ہے، ہر فن میں ان کی کتابیں اور ان کے مسائل موجود ہیں اور اور ان کی جملہ تصانیف اعلیٰ و

؎ تفسیرے ست نہایت کامل و از معتبرین تفاسیر است" (بستان المحدثین)

"ھو من اجل التفاسیر و اوضحھا" (مدینۃ العلوم)

علمائے عصر میں ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہی (نظام القرآن) کی زبان سے بھی ایسی ہی تعریف سنی ہیں [?]

است و تصانیف نفیس جملہ با تحقیق	و باتحقیق ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے
و خداوند تعالیٰ حال و زبان ورا	حال اور زبان کو لغو سے پاک
از حشو محفوظ گردانیدہ بود	کر دیا تھا،

[illegible]

مدینۃ العلوم کی عبارت ذیل سے معلوم ہوتا ہے، کہ فاضل، ہمہ داں اور مختلف علوم وفنون کے جامع تھے :-

کان جامعًا بین اشتات العلوم، کان فقیہًا اصولیًا محققًا محدثًا حافظًا متقنًا نحویًا لغویًا کاتبًا شاعرًا،

منصور حلاج کے حال سے متعلق خود صوفیہ کے گروہ کے اندر تردد و تذبذب اور اختلاف رائے ہے، امام قشیری ہی کا مقولہ ذیل ان کے باب میں قول فیصل سمجھا گیا ہے :-

چنانکہ استاد ابوالقاسم قشیری گفت	اگر وہ مقبول تھے، تو خلق کے ان کا
در حق او کہ اگر مقبول بود بہ رد خلق	سے مردود نہ ہو جائیں گے اور اگر
مردود نہ گردد و اگر مردود بود بہ قبول	مردود تھے تو خلق کے قبول سے
خلق مقبول نہ گردد، (تذکرۃ الاولیاء)	مقبول نہ ہو جائیں گے،

[illegible]

شیخ ابوالحسن خرقانی کی عظمت سے قلب بہت زیادہ متاثر تھا، صاحب کشف المحجوب براہ راست روایت کرتے ہیں کہ

از استاد ابوالقاسم قشیری شنیدم	استاد ابوالقاسم قشیری مجھ سے فرماتے
کہ چوں من بہ ولایت خرقان اندر	تھے کہ جب میں علاقہ خرقان میں پہنچا
آمدم، فصاحتم بہ رسید و عبارتم نماند	تو اس بزرگ کی ہیبت ایسی طاری ہوئی
از حشمت آں پیر وپنداشتم کہ از ولایت	کہ گویائی جاتی رہی اور تاب گفتگو نہ رہی

خود معزول شدم، (ص۱۱۱) اور خیال یہ پیدا ہوا کہ ولایت سے معزول کر دیا گیا ہوں،

یہ قول شیخ فریدالدین عطارؒ نے بھی نقل کیا ہے، تذکرۃ الاولیار جلد ۲، ص۳۰۶

بغداد اس وقت عروس البلاد تھا، ۴۴۸ھ میں اپنی عمر کے ۶۲ سال میں داخل آئے، رسالہ اس سے ۱۱ سال قبل ۴۳۷ھ میں تصنیف کر چکے تھے، بغداد آکر حدیثوں کی روایت کی، معاصر مورخ خطیب بغدادی کی روایت ہے،

قدم علینا فی سنۃ ثمان واربعین واربع مائۃ وحدث ببغداد وکتبنا عنہ (تاریخ بغداد جلد ۱۱ ص۸۳)

عقائد میں اشعری اور فقہ میں شافعی تھے، ثقہ اور واعظ خوش بیان ہونے کی شہادت بھی اسی معاصر مورخ کی زبان سے موجود ہے،

کان ثقۃ وکان یقص وکان حسن الموعظۃ وملیح الاشارۃ وکان یعرف الاصول علی مذھب الاشعری والفروع علی مذھب الشافعی (ایضاً)

صاحب کشف المحجوب نے قشیری کے متعدد اقوال اپنے ہاں نقل کئے ہیں، ان میں سے دو نمونہ کے طور پر حاضر ہیں:-

(۱) مردان اندر فقر وغنا سخن گفتہ اند و خود را اختیار کردہ و من آں اختیار کنم کہ حق مرا اختیار کند، مرا اندر آں نگاہ دارد، اگر تونگر دارد م غافل نہ باشم

لوگوں کے اقوال فقر و تونگری کے باب میں مختلف ہیں کسی نے ایک کو اپنے لئے اختیار کیا ہے کسی نے دوسرے کو لیکن میں اسی شئے کو اختیار کئے ہوئے ہوں جو اللہ میرے لئے اختیار کردے اور

واگر درویشش خواہدم حریص و معرض بناشم (ص۱۰۱)	جس میں مجھے رکھے، اور اگر تونگر بنا کر رکھے تو غافل نہ ہونگا اور اگر فقیر بنا کر رکھے تو حریص و نافرمان ہو کر نہ رہونگا
(۲) مثل الصوفی کعلة البرسام اولہ ھذیان و آخرہ سکوت فاذا تمکنت خرست	صوفی کی مثال مرض برسام کی سی ہے جس کی ابتدا میں ہذیان ہوتا ہے اور آخر میں سکوت یعنی جب تم کمال کو پہنچ جاتے ہو تو زبان گنگ ہو جاتی ہے

شیخ عطارؒ کی روایت ہے کہ قشیریؒ سماع کے قائل نہ تھے، "نقل است کہ استاد ابوالقاسم سماع را معتقد نہ بود" (جلد ۲ صـ۲۳۲) لیکن خود رسالہ میں انکار درج نہیں پایا جاتا،

عطار ہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ استاد ابوالقاسم سماع کے منکر تھے، ایک روز شیخ ابوسعید کے سامنے سے گذرے وہاں محفل سماع گرم تھی استاد نے اپنے دل میں کہا کہ جو لوگ یوں برہنہ سر، برہنہ پا، مارے مارے پھرتے ہیں، شریعت میں انکا تقہ ہونا مستند نہیں، اور ان کی گواہی کا اعتبار نہیں، شیخ نے اسی وقت ایک شخص کو دوڑایا کہ استاد سے ذرا پوچھو کہ ہم کب یہ حیثیت گواہ حاضر ہوئے تھے جو ہماری گواہی کے معتبر ہونے نہ ہونے کا سوال پیدا ہوا؟

بڑوں کی بعض باتیں بڑے ہی سمجھ سکتے ہیں، عطارؒ نے ایک طویل حکایت اور درج کی ہے، (جلد ۲ صـ۲۳۲و۲۳۳) اس کا صرف خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے، روایت کی ذمہ داری حضرت عطارؒ پر ہے،

جس صبح کو شیخ ابوسعید ابوالخیر نیشاپور وارد ہونے والے ہیں، اسی شب میں خود استاد قشیریؒ اور ان کے تیس مریدوں نے خواب میں دیکھا کہ آفتاب زمین پر اتر آیا ہے، صبح کو شیخ کے ورود کا غلغلہ ہوا، استاد نے اپنے حلقہ نشینوں کو شیخ کے پاس حاضر ہونے سے منع کردیا لیکن جن شاگردوں نے خواب دیکھا تھا، سب حاضر خدمت ہوئے، استاد کو اس سے ملال ہوا اور وہ خود شیخ سے ملنے نہ آئے، ایک دن سر منبر استاد نے فرمایا کہ مجھ میں اور ابوسعید میں یہ فرق ہے کہ ابوسعید خدا کو چاہتے ہیں اور خدا مجھکو، پس ان کے اور میرے وہ نسبت ہے جو ذرہ کو کوہ سے ہوتی ہے، کسی نے یہ مقولہ شیخؒ سے نقل کردیا، شیخ نے فرمایا کہ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں، ذرہ اور کوہ سب وہی ہیں، استاد نے یہ خبر سنی تو اور زیادہ اشتعال پیدا ہوا، اور سر منبر کہہ دیا کہ جو شخص ابوسعید کی مجلس میں جائیگا وہ بدنصیب یا مردود ہے، اسی شب میں خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی کہ جیسے حضورؐ کہیں تشریف لئے جارہے ہیں۔ عرض کی کہ قصد مبارک کہاں کا ہے؟ ارشاد ہوا کہ "مجلس ابوسعید کا، کہ جو شخص وہاں حاضر نہ ہوگا وہ بدنصیب یا مردود ہے"۔ استادؒ گھبرا کر بیدار ہوئے اور وضو کرکے شیخ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ یہاں پہونچ کر شیخ کی ظاہری شان وشوکت دیکھی تو پھر ایک بار بدگمانی پیدا ہوئی، اور دل میں خطرہ گذرا کہ شیخ علم وفضل میں مجھ سے زاید نہیں، مرتبۂ روحانی میں ہم پلہ ہیں پھر انھیں یہ اعزاز واکرام کہاں سے حاصل ہوا؟ شیخ پر استادؒ کے اس خطرہ کا کشف ہوگیا، رات کے واقعات کا پتہ دینا شروع کیا، اب استاد کے شبہات دور ہوگئے اور طبیعت بالکل صاف ہوگئی شیخ جب منبر سے اترے، تو دونوں

صاحب بغلگیر ہوئے، استاذ اپنے خیالات سے تائب ہوئے، ربط باہمی اتنا بڑھا کہ ایک روز اپنے پہلے قول کی تردید کلی برسر منبر یہ فرمایا کہ جو شخص ابو سعیدؒ کی مجلس میں حاضر نہ ہو وہ مہجور یا مطرود ہے" واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،

(۲) تصنیف

کتاب کا پورا نام رسالۃ القشیریہ فی علم التصوف ہے، متاخرین نے اکثر صرف الرسالہ کے نام سے ذکر کیا ہے، سال تصنیف کی تصریح خود دیباچہ میں موجود ہے، ۴۳۷ھ گویا شیخ ہجویری کی فارسی کشف المحجوب سے چند سال قبل، تصوف کے موجودہ قدیم ذخیرہ میں شہرت و استناد کا جو مرتبہ امتیاز اس رسالہ کو حاصل ہے، کمتر کسی کے نصیب میں آیا ہے، کتاب اللمع کا پتہ لگنے سے قبل اسی کو تصوف کی قدیم ترین کتاب سمجھا جاتا تھا،

رسالہ کی مخاطب ممالک اسلامی کی معاصر جماعت صوفیہ ہے،

كتبها الفقير الى الله تعالى عبد الكريم بن هوازن القشيري الى جماعة الصوفية ببلدان الاسلام	اس رسالہ کو فقیر عبد الکریم بن ہوازن قشیری نے اسلامی ممالک کی جماعت صوفیہ کے نام لکھا ہے،

ارکان جماعت کے نام گویا یہ ایک کھلا خط ہے، جس میں مخاطبین سے جابجا خطاباً بصیغہ جمع حاضر بیں ہے، سبب تالیف یہ بیان کیا ہے کہ صوفیہ متقدمین دنیا سے رخصت ہو چکے، ان کے طور طریقے بھی ان کے ساتھ ناپید ہو گئے، اب بجائے ان کے جو لوگ ہیں، اور ان کی نیابت کے مدعی ہیں وہ عبادات کے تارک ہیں اور غفلتوں

اور شہوتوں میں مبتلاء

اعلموا ان المحققین من هذه
الطائفة انقرض اکثرهم
ولم یبق فی زماننا هذا من هذه
الطائفة الا اثرهم حصلت
الفترة فی هذه الطریقة
لا بل اندرست الطریقة
بالحقیقة مضی الشیوخ الذین
کانوا بهم اهتداء وقل الشباب
الذین کان لهم بسیرهم
وسنتهم اقتداء وزال الورع
وطوی بساطه واشتد الطمع
وقوی رباطه وارتحل عن
القلوب حرمة الشریعة
فعدوا قلة المبالاة بالدین
اوثق ذریعة ورفضوا التمییز
بین الحلال والحرام ودانوا
بترک الاحترام وطرح
الاحتشام واستخفوا باداء

العبادات واستهانوا بالصوم والصلوۃ ورکضوا فی میدان الغفلات ورکنوا الی اتباع الشہوات (ر ص ۳)

اس طبقہ کے جو محققین تھے ان میں
سے اکثر اٹھ گئے، اور ہمارے زمانہ
میں ان لوگوں کی بس یادہی باقی
رہ گئی، اصل طریقہ گویا مفقود ہی
ہوگیا ہے، اور حقیقت کے میدان
میں سناٹا چھا گیا ہے، نہ وہ بوڑھے
باقی رہے جن کی راہ پر چلا جائے،
اور نہ وہ جوان جن کی سیرت اپنایا
کی جائے، زہد و تقویٰ کی بساط
ہی الٹ گئی اور حرص و طمع کا
دور دورہ آگیا، شریعت کا
احترام تک دلوں سے مٹ گیا
اور دین کی طرف سے بے پروائی
اور آسان ہوگئی، احکام کی عظمت
نہ رہی، اور عبادات ، نماز روزہ
کی بے وقعتی دلوں میں سما گئی،
اور غفلتوں اور شہوتوں کی طرف
رجحان عام ہوگیا،

جب ان نام نہاد صوفیہ کی اخلاقی پستی حد سے گذر گئی، عبادت وطاعت میں انہماک کے بجائے ان سے استخفاف شروع ہوگیا، شریعت کی پیروی کی جگہ اسکی خلاف ورزی باعث فخر سمجھی جانے لگی، اور روح کے تزکیہ سے کوئی واسطہ نہ رہا، سرتاسر نفسانیت غالب آگئی اور ستم یہ کہ ان مادی حرکتوں کے باوجود دعوٰی وہی مشیخت و روحانیت کا قائم رہا، اور مخالفین کو حقیقت تصوف سے انکار اور منکرین کو مسلک حقیقت پر اعتراض کے موقعے کثرت سے ملنے لگے، تو ایسی حالت میں شیخ کو ضروری معلوم ہوا کہ جماعت کی خدمت میں ایسا رسالہ پیش کیا جائے جس میں صوفیہ متقدمین کے صحیح حالات کا بیان اور ان کے اخلاق وعبادات، عقائد ومعمولات وغیرہ کی تفصیل ہو۔

فعلقت هذه الرسالة
اليكم اكرمكم الله ذكرت
فيها بعض سير شيوخ هذه
الطريقة في آدابهم واخلاقهم
ومعاملاتهم وعقائدهم
ونقلوا بهم وما اشاروا اليه من
مواجيدهم وكيفية ترقيهم
من بدايتهم الى نهايتهم لتكون لمريدي
هذه الطريقة قوة (ص ۳)

[illegible]

ان حالات میں میں نے یہ رسالہ
آپ لوگوں کی خدمت میں لکھا ہے
اس میں میں نے شیوخ طریقت کی
کی سیرتوں کا ذکر کیا ہے، جن سے
ان کے آداب واخلاق، معاملات
وعقائد پر روشنی پڑیگی، اور ان کے
وجد وحال اور ان کی کیفیات ترقی
کی جانب اشارے ہیں، تاکہ ان کے
مطالعہ سے طریقت کے طالبین وتمام

بنے ہوئے صوفیوں اور گڑھے ہوئے تصوف کا یہ نقشہ جب پانچویں ہی صدی ہجری کے شروع میں ہوگیا تھا، تو پھر آج کے "شاہ صاحبوں کی مصوری کن لفظوں

اور عبارتوں سے کیجائے،

رسالہ مصر میں چھپا ہوا چوڑی تقطیع اور باریک ٹائپ کے ۲۰۸ صفحوں پر آیا ہے،
ابتدا کے چند صفحات (صہ تا ۳) اعتقاد ھٰذہ الطائفۃ فی مسائل
الاصول پر ہیں اور ان میں اصول توحید و مسائل توحید میں قدما صوفیہ کے اقوال درج ہیں
باب (۱) کا عنوان فی ذکر مشائخ ھٰذہ الطریقۃ ومایدل من سیرھم
واقوالھم علی تعظیم الشریعۃ ہے (صہ تا ۳)
اس میں انسٹھ سے کچھ اوپر بزرگوں کا تذکرہ ہے جن میں سے ہر ایک اپنے
ملک اور زمانہ میں کامل اور مسلّم صوفی ہوا ہے، مثلاً ابراہیم ادھم، فضیل عیاض،
ذوالنون مصری، معروف کرخی، سہل تستری، سری سقطی، بایزید بسطامی، یحییٰ
معاذ رازی، شقیق بلخی، جنید بغدادی، وغیرہم، اور ان کے اقوال اور اعمال دونوں
سے یہ دکھایا ہے کہ شریعت کا کتنا اہم درجہ ان حضرات کی نظر میں تھا،
سب سے پہلے لفظ تصوف و تاریخ تصوف کا بیان چند لفظوں میں ہے،

ان المسلمین بعد رسول اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ
صلی اللہ علیہ وسلم لم یتسم	کے لئے مومن کے لئے کوئی لفظ صحابی
افاضلھم فی عصرھم بتسمیۃ	سے بڑھ کر پُرفخر اور افضل نہیں ہو سکتا
علم سوی صحبۃ رسول اللہ	تھا، چنانچہ اس وقت کے افاضل
صلی اللہ علیہ وسلم اذلا فضیلۃ	اسی لقب سے موسوم ہوئے، اسکے
فوقھا فقیل لھم الصحابۃ	بعد جب دوسری نسل چلی تو ان
ولما ادرک اھل العصر الثانی	صحابیوں کے صحابیوں کیلئے تابعین

سمی من صحب الصحابة التابعین
وسموا اولئک اشرف سمة
ثم قیل لمن بعدهم اتباع
التابعین ثم اختلف الناس
وتباینت المراتب فقیل
لخواص الناس ممن لهم شدة
عنایة بامر الدین الزهاد
والعباد ثم ظهرت البدع
وحصل التداعی بین الفرق
فکل طریق ادعوا ان فیهم
زهادا فانفرد خواص اهل
السنة المراعون انفاسهم
مع الله تعالی الحافظون
قلوبهم عن طوارق الغفلة
باسم التصوف واشتهر هذا
الاسم لهؤلاء الاکابر
قبل المائتین من الهجرة

کی اصطلاح ہوئی پھر ان کی بھی
آنکھیں دیکھنے والے تبع تابعین
کہلائے، اس کے بعد جب امت
زیادہ پھیلی اور لوگ طرح طرح کے
پیدا ہونے لگے تو جن لوگوں کو
امور دین میں زیادہ انہماک ہوا
انھیں زہاد و عباد کہا جانے لگا لیکن
جب بدعتوں کا ظہور ہوا اور فرقہ فرقہ
الگ ہوگئے تو ہر فرقہ اس کا مدعی بن
بیٹھا کہ زہاد و عباد اسی میں ہیں،
اس وقت اہل سنت کے طبقۂ خاص
نے جو ذکر الٰہی میں مشغول اور غفلتوں
سے دور رہتا تھا، اپنے لئے
"اہل تصوف" کی اصطلاح قائم کی
اور ہجرت کو ابھی دو صدیاں پوری
نہیں ہوئی تھیں کہ یہ لقب اس طبقہ
خواص کے اکابر کیلئے مخصوص ہوگیا،

اس کے بعد اکابر طریقت کی حکایتیں اور اقوال نقل کئے ہیں، جن سے معلوم ہوگا
کہ ان حضرات کے نزدیک تصوف کیا چیز تھی، اور اب اس سے موجودہ گدی نشینوں

کی رسوم پرستی کو کچھ بھی علاقہ رہ گیا ہے،

بشر حافی جس پایہ کے امام طریقت گذرے ہیں، سب کو معلوم ہے۔ ان کی بابت یہ واقعہ انہی کی زبانی درج ہے،

رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقال لی یا بشر تدری لم رفعک اللہ من بین اقرانک قلت لا یا رسول اللہ قال باتباعک سنتی وخدمتک للصالحین ونصیحتک لاخوانک ومحبتک لاصحابی واہل بیتی ہو الذی بلغک منازل الابرار

(ص ۱۱)

میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ارشاد ہوا اے "بشر" تمکو معلوم ہے کہ اللہ نے تمھارے معاصرین میں سے تمھاری اتنی عزت افزائی کیوں کی؟ عرض کیا کہ نہیں معلوم ارشاد ہوا کہ میری سنت کی پیروی صالحین کی خدمتگزاری، اپنے بھائیوں کی خیر اندیشی اور میرے اصحاب اہل بیت کے ساتھ محبت کی بنا پر بس یہی

بایزید بسطامیؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ اس مرتبہ تک کیونکر پہونچے؟ بولے "بھوکے پیٹ اور ننگے بدن کے ذریعہ سے"۔ انہی بایزید کو شورش وسرمستی کے باوجود اتباع سنت میں اس قدر انہماک تھا کہ خود فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے اللہ سے دعا کرنی چاہی کہ میرے لئے کھانے کی خواہش اور عورت کی خواہش کو مردہ کردے معاً یہ خیال آگیا کہ جس شے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے نہیں کیا، میں اسے کیونکر طلب کروں، اور اس دعا سے باز رہا، اس احترام سنت نبویؐ کا صلہ یہ ملا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے از خود خواہش نسار کو میرے لئے اس قدر مردہ کردیا کہ میرے

نزدیک دیوار اور عورت برابر ہیں، (ص۱۴)

حاتم اصم فرماتے ہیں کہ صبح شیطان مجھ سے سوال کرتا ہے کہ تیرا کھانا کیا ہے، لباس کیا ہے، اور سکونت کہاں ہے؟ میں جواب دیتا ہوں کہ میری غذا موت ہے میرا لباس کفن ہے اور میرا مسکن قبر ہے، انہی بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو خواہشات نہیں پیدا ہوتیں؟ جواب دیا کہ میری سب سے بڑی خواہش یہ رہتی ہے کہ رات ہونے تک دن خیریت سے گذر جائے، لوگوں نے کہا کہ دن تو خیریت سے گذرتے ہی رہتے ہیں، ارشاد ہوا کہ میں خیریت اسے کہتا ہوں کہ اس روز معاصی الٰہی کا ارتکاب نہ ہو، (ص۱۶)

شیخ ابوالحسن احمد دارمی سے منقول ہے کہ اتباع سنت نبوی سے باہر ہو کر کوئی سا بھی عمل کیا جائے باطل ہوگا، (ص۱۷)

جنید بغدادی سید الطائفہ کہلاتے ہیں، ان کے اقوال ذیل آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں:۔

" ہم نے تصوف کو قیل و قال کے ذریعہ سے حاصل نہیں کیا ہے، بلکہ گرسنگی ترک دنیا اور ترک مرغوبات و مالوفات سے حاصل کیا ہے "،

" خلق پر تمام راستے بند کر دیئے گئے ہیں، بجز اس کے کہ سنت نبوی کے نقش قدم پر چلا جائے "

" ہمارا سارا طریقہ کتاب اللہ و سنت رسول کا پابند ہے "

" جو شخص کلام الٰہی کا حافظ اور احادیث رسول کا عالم نہیں اس کی تقلید طریقت کے باب میں درست نہیں، اس لئے کہ ہمارے اس سارے علم (سلوک) کا ماخذ قرآن و حدیث ہیں " (۱۹)

شیخ داؤد رقی کا قول تھا کہ دنیا میں سب سے کمزور شخص وہ ہے جو اپنی خواہشوں کے ضبط پر قدرت نہ رکھتا ہو، اور سب سے زیادہ طاقتور وہ ہے، جو اس پر قدرت رکھتا ہو، اور اللہ سے محبت رکھنے کی علامت یہ ہے کہ اس کی طاعتوں کو اختیار کیا جائے اور اس کے رسولؐ کی راہ پر چلا جائے، (ص۲۵)

غرض اسی طرح باب میں جتنی حکایات اور اقوال نقل کئے ہیں، ان کا حاصل صرف یہ چند چیزیں ہیں:۔ تعظیم شریعت، علم قرآن و حدیث، اتباع سنت نبوی، ترکِ لذات، قطع علائق، لزوم عبادات و مجاہدات،

باب (۲) کا عنوان ہے، فی تفسیر الفاظ تدور بین ھذہ الطائفۃ و بیان ما یشکل منھا، (ص۳۱-۴۵)

اس میں مصطلحات تصوف کی توضیح و تشریح ہے، مثلاً وقت، مقام، حال، قبض، بسط، ہیبت، انس، تواجد، وجد، وجود، جمع، فرق، فنا، بقا، غیبت/ حضور، صحو و سکر وغیرہا،

محو و اثبات دو ایک تعریفوں کے نمونے ملاحظہ ہوں:۔

المحو رفع اوصاف العادۃ	محو نام ہے صفات عادی کے ادا
والاثبات اقامۃ احکام	ہو جانے کا اور اثبات نام ہے احکام
العبادۃ فمن نفی عن احوالہ	عبادت کے قائم ہو جانے کا بس جس نے
الخصال الذمیمۃ و اتی	اپنے احوال سے صفاتِ بد کو دور کر دیا
بدلھا بالافعال والاحوال	اور ان کے بجائے، افعال و احوال
الحمیدۃ فھو صاحب محو و اثبات (ص۳۹)	حمیدہ پر قائم ہو گیا وہ صاحب محو و اثبات ہے

تلوین و تمکین	التلوین صفۃ ارباب الاحوال والتمکین صفۃ اھل الحقائق فمادام العبد فی الطریق فھو صاحب تلوین لانہ یرتقی من حال الی حال وینتقل من وصف الی وصف ویخرج من مرحل ویحصل فی مربع فاذا وصل تمکن (ص ۱۲۱)	تلوین اہل حال کی صفت ہے اور تمکین اہل حقیقت کی، بندہ جب تک اثنائے راہ میں ہے، برابر ایک حال سے دوسرے حال میں ترقی اور ایک وصف سے دوسرے وصف کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے اور اسلئے صاحب تلوین کہلاتا ہے، پھر جب راہ سے نکل کر منزل وصل تک
شریعت و حقیقت	الشریعۃ امر بالتزام العبودیۃ والحقیقۃ مشاھدۃ الربوبیۃ فکل شریعۃ غیر مؤیدۃ بالحقیقۃ فغیر مقبول وکل حقیقۃ غیر مقیدۃ بالشریعۃ فغیر محصول۔ (ص ۴۳)	شریعت نام ہے، التزام حکم عبودیت کا، اور حقیقت نام ہے مشاہدۂ ربوبیت کا پس جس شریعت کو حقیقت کی تائید حاصل نہ ہو وہ غیر مقبول ہے، اور جو حقیقت شریعت کی پابند نہیں وہ

اس کے بعد احوال، مقامات و مسائل تصوف سے متعلق جتنے اہم عنوانات ہو سکتے ہیں، سب پر الگ الگ ایک باب باندھا ہے، اور اس پر قرآن مجید احادیث رسول، اور اقوال اکابر سلف کی روشنی میں گفتگو کی ہے، ان بابوں کی تعداد پچاس ہے چند عنوانات ملاحظہ ہوں:-

باب التوبۃ، باب المجاھدۃ، باب الحزن، باب الجوع وترک الشھوۃ

باب مخالفۃ النفس، باب الحسد، باب القناعۃ، باب الذکر، باب الجود والسخا، باب الغیرۃ، باب الصحبۃ، باب السماع،

یہ تمام باب، اختصار کے باوجود جامعیت کا وصف رکھتے ہیں، ان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اکثر کا آغاز قرآن مجید ہی کی کسی آیت سے ہوتا ہے اور یہ گویا ایک عملی دلیل ہے مصنف کے اس دعویٰ کی، کہ سلوک کا اصل ماخذ قرآن مجید ہے، چند ابواب کی افتتاحی آیتیں ملاحظہ ہوں،

باب الحزن۔ قال اللہ عزوجل وقال الحمد للہ الذی اذہب عنا الحزن

باب التقوی۔ قال اللہ تعالیٰ، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

باب الیقین۔ قال اللہ تعالیٰ، والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالآخرۃ ھم یوقنون

باب الصبر۔ قال اللہ تعالیٰ، واصبر وما صبرک الا باللہ،

باب الفتوہ۔ قال اللہ تعالیٰ، انھم فتیۃ آمنوا بربھم وزدناھم ھدی

باب الحیاء۔ قال اللہ تعالیٰ، الم یعلم بان اللہ یری،

ان عنوانی آیتوں سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ شیخ کو قرآن مجید سے استنباط نکات میں ملکہ حاصل تھا آیات قرآنی کے بعد احادیث نبوی کو رکھا ہے، اور جس باب سے متعلق کوئی صریح و واضح آیت قرآنی نہ مل سکی، اسے حدیث سے شروع کیا ہے، اور یوں عملاً بھی ظاہر کر دیا، کہ تصوف اسلامی کے ماخذوں میں قرآن مجید کے بعد دوسرا درجہ حدیث رسول کا ہے،

کتاب کا باب (۵۱) باب السماع پر ختم ہو جاتا ہے،

باب (۵۲) اثبات کرامات الاولیا پر ہے، (صفحہ ۱۵۸-۱۷۵)

یہ باب متعدد فصلوں میں تقسیم ہے، اور ان میں کرامت کے امکان و وقوع شرائط و وقوع وغیرہ پر گفتگو ہے،

باب (۵۳) کا عنوان باب رویا النوم ہے (صفحہ ۱۷۵-۱۸۰)

اس میں آیت نوم، رویائے صالحہ، پریشان خوابی اور مسائل متعلقہ پر تفصیلی بحث ہے،

باب (۵۴) باب وصیۃ للمریدین ہے (صفحہ ۱۸۰-۱۸۶)

کتاب کا سب سے بڑھ کر قابل غور باب یہی ہے، اور اس لحاظ سے سب سے زیادہ اہم بھی، کہ سابق کے ابواب میں تو عموماً اقوال و حکایات کی نقل پر اکتفا کی گئی ہے لیکن اس باب میں شیخ نے اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر مریدین و طالبین کے لئے کچھ ہدایتیں اور نصیحتیں تحریر کی ہیں، اس باب کو کتاب کا خلاصہ یا نچوڑ اور مکتب تصوف کا دستور العمل سمجھنا چاہیئے،

یہ باب چھوٹی چھوٹی فصلوں میں تقسیم ہے، اور ہر فصل میں کسی اہم حقیقت یا نصیحت کو مختصر لفظوں میں قلمبند کر دیا ہے، چند نمونے ملاحظہ ہوں،

(الف) وبناء هذا الامر وملاكه على	تصوف کی ساری بنیاد اسی پر ہے
حفظ آداب الشريعة وصون	کہ آداب شریعت کی پابندی رہے،
اليد عن المد الى الحرام والشبهة	حرام اور مشتبہ چیزوں سے دست کشی
وحفظ الحواس عن المحظورات	کیجائے، ناجائز اوہام و خیالات سے
وعد الانفاس مع الله تعالى	حواس کو آلودہ نہ کیا جائے اور غفلتوں سے

عن الغفلات (ص ۱۸۵)

(ب) ومن شان المرید دوام المجاهدة فی ترک الشهوات فان من وافق شهوته عدم صفوته واقبح الخصال بالمرید رجوعه الی شهوة ترکها لله تعالی (ص ۱۸۵)

(ج) ومن شان المرید حفظ عهوده مع الله تعالی فان نقض العهد فی طریق الارادة کالردة للدین لاهل الظاهر (ص ۱۸۵)

(د) ومن شان المرید قصر الامل فان الفقیر ابن وقته فاذا کان له تدبیر فی المستقبل وتطلع لغیر ما هو فیه من الوقت وامل فیما یستانفه لا یجیء منه شیء

(ھ) ولا ینبغی للمرید ان یعتقد فی المشایخ العصمة بل الواجب ان یذرهم واحوالهم فیحسن بهم الظن (ص ۱۸۵)

بیچ کر اللہ تعالی کی یاد میں وقت گذاری جائے،

مرید کو ترک شہوات کے مجاہدہ میں دوام مشغول رہنا چاہئے خواہشوں کی پابندی اور روح کی پاکیزگی کا ستیاناس نہ ہو [redacted] مرید کے لئے یہ بدترین پستی ہے کہ جس خواہش کو اللہ کیلئے چھوڑ چکا، اسکی جانب پھر رجوع کرے

طالب کو اسکی بڑی احتیاط چاہئے کہ ایک مرتبہ جس بات کا عہد خداوند تعالی سے کرلیا، اسے نہ توڑے، طریقت میں نقض عہد کا وہی درجہ ہے جو شریعت میں

طالب کو چاہئے کہ دامانِ آرزو کو بہت نہ پھیلائے، فقیر کو صرف حالت سے سروکار رکھنا چاہئے مستقبل کے خیالی پلاؤ پکاتے رہنا، اس کی شان نہیں،

مرید کبھی نہ چاہئے کہ اپنے مشایخ کے معصوم ہونے کا عقیدہ رکھے البتہ ان سے حسن ظن رکھنا واجب ہے،

(د) ومن شأن المرید التباعد عن	(اہل دنیا کی صحبت سے طالب کو ہر طرح
ابناء الدنیا فان صحبتهم سم	بچنا چاہئے اور اسے اپنے حق میں زہر قاتل
مجرب لانهم ینقصون به وهو	سمجھنا چاہئے زاہد تقرب الٰہی کیلئے
ینتقص بهم وان الزهاد یخرجون	مال کو اپنے پاس سے دور کرتے رہتے
المال عن الکیس تقربا الی الله	ہیں اور صوفی تحقیق الٰہی کی غرض
تعالی واهل الصفاء یخرجون	سے خلائق سے اپنے قلب کو خالی
الخلق والمعارف من القلب	کرتے رہتے ہیں)
تحققا بالله تعالی (ص۱۸۶)	

(ز) خوش شکل لڑکوں اور امردوں سے دوستی آج کل کی نہیں اس زمانہ کا یہ مرض ہے، جائز کرنے والوں کو نفس نے عجب عجب تاویلیں سجھا دی ہیں، شیخ کی تحقیق میں،

(من اصعب الآفات فی هذه الطریقة) یہ سخت ترین خطرہ راہ ہے،

شیخ اس پر بہت زور سے متنبہ کرتے ہیں اور ڈراتے ہیں کہ بالفرض سالک رتبہ شہداء تک پہنچ گیا ہو تو اس عمل کی بے برکتی سے سب کچھ چھن جاتا ہے اور اسکی پوری طرح رسوائی ہو کر رہتی ہے ذیل میں ان کے بیان کی صرف دو ابتدائی سطریں بلا ترجمہ درج کی جاتی ہیں،

ومن اصعب الآفات فی هذه الطریقة صحبة الاحداث ومن ابتلاه الله تعالی بشیء من ذلک فباجماع الشیوخ ذلک عبد اهانه الله عز وجل وخذله بل عن نفسه شغله ولو بالف الف کرامة اهله هب انه بلغ رتبة الشهداء (ص۱۸۱)

کتاب کے سارے مطالب کا لب لباب نظر کے سامنے آگیا، رواجی اور بدعتی تصوف کے لئے سند جواز کوئی ہلکی سی بھی ہلکی ہاتھ آئی؟

باب[1] (۴)

فتوح الغیب

(شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانیؒ)

(۱) مصنّف

اگر یہ سوال کیا جائے کہ صوفیۂ کرام کے سارے سلسلوں میں شہرت عام اور مقبولیت تام سب سے زیادہ کس کے حصہ میں آئی ہے؟ تو تعجب نہیں کہ متفقہ طور پر نام حضرت شیخ جیلانی ہی کا زبانوں پر آکر رہے، دوسرے بزرگوں کے حلقے پھر محدود ہیں شیخ جیلانیؒ کا نام خواص وعوام سب کی زبان پر ہے مختلف ناموں اور تعظیمی لقبوں کیساتھ "غوث اعظم" "محبوب سبحانی" وغیرہ متعدد چلے ہوئے نام اور لقب ہیں، آپ کا زمانہ قدمائے صوفیہ کا آخر زمانہ تھا، اس لئے بھی آپ کے ارشادات اور زیادہ توجہ کے مستحق ہیں،

---

[1] ماخذ: (۱) نشر المحاسن الغالیہ فی فضل مشایخ الصوفیہ۔ از عبداللہ یافعی (قلمی) (۲) قلائد الجواہر فی مناقب شیخ عبدالقادر از محمد بن یحییٰ حلبی (۳) طبقات الکبریٰ از شیخ عبدالوہاب شعرانی (۴) اخبار الاخیار از شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۵) نفحات الانس از ملا جامی (۶) سفینۃ الاولیاء از دارا شکوہ (۷) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، مقالہ عبدالقادر،

اسم مبارک عبد القادر تھا، کنیت ابو محمد، محی الدین لقب قرار پایا، متاخرین نے فرط عقیدت سے متعدد القاب کا اضافہ کر دیا،

سیادت نسبی دونوں طرف سے حاصل تھی، والد ماجد کی طرف سے سلسلۂ نسب سیدنا حضرت حسنؓ تک پہونچتا ہے، اور والدۂ ماجدہ کی طرف سے سیدنا حضرت حسینؓ تک، اسی لئے نام کے ساتھ سید حسنی و حسینی لکھا جاتا ہے، سایۂ پدری بچپن ہی میں سر سے اُٹھ گیا تھا،

ولادت باختلاف روایت سنہ ۴۷۰ھ یا سنہ ۴۷۱ھ میں ہوئی، مولد نواح طبرستان میں قصبۂ جیلان ہے، اسی کو گیل اور گیلان بھی کہتے ہیں، سال وفات میں کوئی اختلاف سنہ ۵۶۱ھ ہے، عمر شریف ۹۰ سال کی ہوئی، ماہ ربیع الثانی بھی سب کو مسلم ہے، البتہ تاریخ میں اختلاف ہے، ۸ ربیع الثانی، ۱۰ ربیع الثانی، ۱۱ ربیع الثانی، ۱۴ ربیع الثانی، ۱۷ ربیع الثانی سب نقل ہوئی ہیں، داراشکوہ نے ان سب کو چھوڑ کر ۹ ربیع الثانی کو اختیار کیا ہے، ۱۸ سال کی عمر میں بغداد آگئے، عمر کا بیشتر حصہ یہیں گذرا، یہیں وفات پائی، یہیں مدفون ہوئے؛

سلسلۂ تعلیم کی ابتدا قرآن مجید سے ہوئی، حفظ کیا، پھر ادب و فقہ و حدیث کی تحصیل اور باضابطہ تکمیل اپنے زمانہ کے کامل استادوں اور ماہرین فن سے کی، نظر کی وسعت اور علم کے تبحر کی گواہ خود آپ کی دونوں کتابیں غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب ہیں، فقہ میں مسلک احمد بن حنبل پر تھے، تدریس، فتویٰ نویسی اور وعظ گوئی کے مشغلے سالہا سال جاری رہے، ایک بڑے گروہ نے علوم ظاہری میں شاگردی کی، استفتے دور دور سے آتے، آپ برجستہ جواب تحریر کرا دیتے،

طریق باطنی کی تعلیم شیخ حماد، قاضی ابوسعید مبارک مخزومی، اور شیخ ابویوسف یعقوب ہمدانی سے پائی، شیخ خرقہ قاضی ابوسعید مخزومی تھے، شیخ صحبت شیخ حماد ہے نسبت ارادت براہ راست سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی، اور اہل تذکرہ کا بیان ہے، کہ انوار وفیوض کا نزول براہ راست خواجۂ عالم کی سرکار سے ہوتا تھا،

تذکروں میں کرامت اور خرق عادت کے واقعات اس کثرت سے مذکور ہیں کہ شاید ہی کسی دوسرے بزرگ کے ہوں، امام یافعیؒ کہتے ہیں کہ شیخ کی کرامتوں کی تعداد حد شمار سے خارج ہے، اور اکثر تواتر یا تقریبًا تواتر تک پہونچی ہوئی ہیں،

داراشکوہ کے الفاظ، بہت کچھ لکھنے کے باوجود یہ ہیں،

اگرانچہ از آنحضرت در ایام حیات	حضرت سے جو واقعات زندگی میں
بہ ظہور رسیدہ وانچہ بحال	صدور میں آتے رہے، اور جو آج
نیز مشاہدہ نمودہ می شود می گفتم	بھی مشاہدہ میں آرہے ہیں، ان
کتاب کلانے می شود،	سب کو جمع کیا جائے تو کتاب ضخیم ہو جائے

شیخ عبد الحق دہلوی، حضرت کے ایک معاصر بزرگ شیخ علی ہیتی کی شہادت نقل کرتے ہیں کہ

ندیدم ہیچ یکے از اہل زمان خود	انھوں نے اپنے زمانہ میں کسی کو شیخ عبد القادر
اکثر الکرامات از شیخ عبد القادر	سے بڑھ کر صاحب کرامات نہیں پایا،
ہر وقت ہر کہ از خواہد کہ ازوے	جس وقت جو ان سے کرامت کا
کرامتے مشاہدہ کند می کندو	مشاہدہ کرنا چاہے، کر لیتا ہے، خرق
خوارق ظاہر گردد، گاہے ازوے	عادت کبھی خود انہی سے ظاہر ہوتی

گاہے دروسے گاہے بوسے، کبھی ان کے متعلق اور کبھی ان کے ذریعے،

آپ کی والدۂ ماجدہ ایک ایسی کرامت کا ذکر کرتی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ولایت مادرزاد تھی، فرماتی ہیں، کہ شروع ہی سے احکام شریعت کا یہ التزام تھا کہ رمضان بھر دن میں دودھ نہیں پیتے تھے، اتفاق سے ۲۹ شعبان کو ابر تھا، چاند نہ دکھائی نہ دیا، دوسرے دن اس بچہ نے دودھ نہ پیا، آخر تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ چاند ہوگیا تھا، اور اس دن یکم رمضان تھی،

ایک دوسری روایت ہے کہ بچپن کا زمانہ تھا، آبادی کے باہر کھیل رہے تھے کہ ایک گائے کی دم پکڑ کر کھینچی، وہ قدرتِ حق سے گویا ہوگئی، اور پلٹ کر اس نے کہا "اے عبدالقادر تم دنیا میں اس غرض سے نہیں بھیجے گئے ہو" معاً اسے چھوڑ دیا، دل پر ہیبت طاری ہوئی، مکان آکر بالاخانہ سے جو نظر کی تو دیکھا کہ سامنے میدان عرفات ہے، اور حاجیوں کی قطاریں، والدۂ ماجدہ سے آکر عرض کی کہ راہ خدا طے کرنے کی اجازت دیجئے، بغداد جاکر تحصیل علم کروں، انھوں نے سبب پوچھا، کل واقعہ ان سے بیان کیا، ان نیک دل خاتون پر رقت طاری ہوگئی، اُٹھ کر گئیں، ایک تھیلی لاکر فرزند نامدار کے ہاتھ میں دیدی، اور فرمایا کہ "بیٹا تمھارے والد مرحوم کل اسّی دینار چھوڑ گئے تھے، چالیس کی امانت تمھارے بھائی کے لئے محفوظ ہے، یہ چالیس تمھارے حوالہ، میری نصیحت وصیت، جو کچھ سمجھو بس اتنی ہے، کہ راستی کو کسی حالت میں نہ چھوڑنا، جاؤ تمھیں اللہ کو سونپا، اب قیامت کے دن دیکھنے کو ملوگے"۔

راستہ میں ڈاکوؤں نے قافلہ پر حملہ کیا، ہر شخص مال چھپانے، جان بچانے کی فکر میں ہوا، اس سعادت مند فرزند اور اللہ کے برگزیدہ بندہ نے صاف صاف

اپنے پاس کی مالیت کو بیان کر دیا، قزاق راست بازی اور دیانت کی اس کرامت پر دنگ رہ گئے، آخر اپنے پیشہ سے تائب ہو کر داخل بیعت ہوئے،

منزل صدق میں شاید اسی قیام و استقامت کا یہ نتیجہ نکلا کہ آگے چل کر وہ مرتبۂ اعظم حاصل ہوا، جو مقام صدیقیت کے لئے مخصوص ہے، اور رہروؤں کیلئے تو کیا، اچھے اچھے رہبروں اور رہنماؤں تک کے لئے باعث رشک، فرماتے تھے کہ جب تک ہنسنے کا حکم نہیں ملتا، نہیں ہنستا ہوں، جب تک کھانے کا حکم نہیں ملتا، نہیں کھاتا ہوں، جب تک بولنے کا حکم نہیں ملتا نہیں بولتا ہوں،

تصانیف متعدد چھوڑیں، مندرجۂ ذیل یا تو خود موجود ہیں یا ان کے نام دوسری کتابوں میں محفوظ ہیں،

(۱) غنیۃ الطالبین۔ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب

(۲) فتوح الغیب فن سلوک پر

(۳) الفتح الربانی مجموعۂ مواعظ

(۴) جلاء الخاطر

(۵) الیواقیت والحکم

(۶) الفیوضات الربانیہ

(۷) حزب بشایر الخیرات

(۸) المواہب الرحمانیہ

(۴ تا ۸) یہ سب نام مارگولیتھ نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں مقالہ "عبدالقادر محی الدین جیلانی" کے تحت میں درج کئے ہیں،

مارگولیتھ جس نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سب کتابیں شیخ کے فضل و کمال تفقہ فی الدین، اور تبحر علمی کی زبردست گواہ ہیں،

بادشاہوں سے ہدیہ نہیں قبول فرماتے تھے، ان کے علاوہ اگر کوئی شخص تحفہ لے آتا تو قبول فرما لیتے، اور اسی وقت حاضرین میں تقسیم فرما دیتے، ایک روز خلیفۂ وقت المستنجد باللہ نے حاضر ہو کر اشرفیوں کے دس توڑے پیش کئے حسب معمول انکار فرمایا، اُدھر سے اصرار بڑھا، شیخؒ نے ایک توڑا اپنے داہنے ہاتھ اور دوسرا بائیں ہاتھ سے اُٹھا کر دونوں کو رگڑا، تو اشرفیوں سے خون بہنے لگا، خلیفہ سے ارشاد ہوا کہ "اللہ سے شرم نہیں آتی، کہ انسان کا خون کھاتے ہو، اور اسے جمع کر کر کے میرے پاس لاتے ہو"، راوی کا بیان ہے کہ خلیفہ پر اتنا اثر پڑا کہ غشی کی نوبت آ گئی،

خلیفۂ وقت یا کسی صاحب ثروت کے ہاں جانے کی عادت نہ تھی، اور نہ امراء کی تعظیم فرماتے، اگر خلیفہ کی آمد سنتے تو اٹھ کر مکان کے اندر تشریف لیجاتے اور پھر باہر نکل کر آتے، تاکہ خلیفہ کی تعظیم کے لئے اُٹھنے کا سوال ہی نہ پیدا ہو، جب خلیفہ کے نام نامۂ مبارک کی ضرورت پیش آتی، تو یوں تحریر فرمایا جاتا، کہ عبدالقادر کا تجھ سے ارشاد ہے، اور اس کا ارشاد تیرے اوپر نافذ ہے"، خلیفہ ان تحریروں کو سر اور آنکھوں پر جگہ دیتا،

صحیفۂ زندگی کی ہر سطر احکام شریعت کے مطابق و ماتحت تھی، وعظ بیان فرماتے تو قرآن مجید ہی سے، مکتوب تحریر فرماتے تو بھی اسی سرچشمۂ نور و ہدایت سے، تعلیمات میں سب سے زیادہ زور پابندی شریعت اور پیروی سنت پر ہوتا، وفات سے ذرا پیشتر مشائخ عصر کا مجمع تھا، بڑے صاحبزادے سیف الدین عبدالوہاب نے عرض کی، کہ حضرت کچھ وصیت فرمائیے، ارشاد ہوا،

عليك بتقوى الله وطاعته — اللہ کے تقویٰ اور اطاعت کو اپنے
ولا تخف احداً ولا ترج و — اوپر لازم رکھو، بجز اللہ کے کسی سے
وكل الحوائج الى الله واطلبها — نہ خوف رکھو نہ امید، تمام حاجتیں
منه ولا تثق باحد سوى الله — بس اللہ ہی کے سپرد کردو اور اسی
خذ التوحيد التوحيد — سے طلب کرتے رہو، اور بجز اللہ
التوحيد اجماع الكل — کے کسی پر اعتماد نہ رکھو، اپنے اوپر

عبادتوں اور ریاضتوں کی کثرت کا اندازہ ان روایتوں سے ہو سکتا ہے کہ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے نماز فجر ادا کی، پندرہ سال تک یہ معمول رہا کہ بعد عشاء پورا کلام مجید ختم فرماتے تھے، پچیس سال تک صحرا میں اس تنہائی سے بسر کی کہ انسان کی شکل بھی نہیں دیکھی۔

سالہا سال کی عبادتوں، ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خود بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار مجھے بہت بڑا نور نظر آیا جو دیکھتے دیکھتے سارے افق پر چھا گیا، اس میں سے آواز آئی "اے عبد القادر میں تیرا پروردگار ہوں، میں نے تیرے لئے حرام چیزوں کو حلال کر دیا" میں نے لاحول ولاقوۃ پڑھکر کہا دور ہو ملعون، بس وہ نور تاریکی میں تبدیل ہو گیا اور اس میں سے آواز آئی "عبد القادر، تو اپنے علم کی قوت سے بچ گیا، ورنہ میں تجھ جیسے ستر کاملوں کو گمراہ کر چکا ہوں" میں نے کہا ملعون تو اب بھی مجھے گمراہ کرنے میں لگا ہوا ہے، کہتا ہے کہ تم اپنے علم کی قوت سے بچ گئے، حالانکہ مجھے بچانے والی میری کوئی بھی قوت نہیں، محض اللہ کا فضل و کرم ہے"

ذوق عبادت اور غلبۂ خشوع و تواضع کا اندازہ گلستاں کی حکایت ذیل

سے ہوگا،

عبدالقادر گیلانی را دیدند رحمۃ اللہ علیہ در حرم کعبہ روے بر حصا نہادہ بود و می گفت اے خداوند ببخشاے و اگر مستوجب عقوبتم مرا بہ روز قیامت نابینا برانگیز تا در روے نیکاں شرمسار نباشم

(باب ۲ حکایت ۳)

عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے دیکھا، آپ حرم شریف میں سنگریزوں پر منہ رکھے ہوئے عرض کر رہے تھے کہ اے خداوند مجھے بخش دے، اور اگر میں لائق عذاب سمجھا جاؤں تو قیامت کے دن مجھے نابینا اُٹھانا تاکہ تیرے نیک

گلستان سعدی مطبوعہ ... نسخہ

عوام نے جو سوقیانہ لاف زنی حضرت شیخ کی جانب منسوب کر دی ہے، اس سے اس سچی عبدیت و عبودیت کو کوئی تعلق ہے؟ اور یہ بھی خیال رہے کہ صاحب گلستاں شیخ سعدیؒ کا زمانہ حضرت جیلانیؒ سے کچھ ہی بعد کا تھا، اور شیخ حضرت گیلانی کے ایک واسطہ سے مرید بھی تھے، یعنی شیخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید تھے اور حضرت سہروردیؒ حضرت گیلانیؒ کے خلیفہ تھے،

(۲) تصنیف

(فتوح الغیب آج سے تین ساڑھے تین سو سال پیشتر اُدھر دنیا کے لئے خود پردۂ غیب میں تھی، شیخ سیف الدین عبدالحق محدث دہلوی (المتوفی ۱۰۵۱ھ) جب فریضۂ حج ادا کرنے گئے تو مکہ معظمہ میں ایک نسخہ اس کتاب کا انھیں شیخ عبدالوہاب المتقی قادری کے ہاں ان کی نظر سے گذرا، ہندوستان واپس آئے تو ایک دوسرا نسخہ بھی

انھیں مل گیا، فتوح الغیب عربی میں تھی، شیخ نے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا، کہ وہی اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کی زبان تھی، اور مفتاح الفتوح کے نام سے شرح بھی لکھی، فتوح الغیب کا موجودہ مطبوعہ نسخہ شیخ ہی کے ترتیب اور تہذیب دئے ہوئے نسخہ کی نقل ہے، لکھنؤ اور لاہور سے ان کی شرح کے ساتھ شائع ہوئی ہے،

کتاب حمد و نعت کے بعد اٹھتر مختصر مقالوں میں تقسیم ہے، (آخر میں چند ورق مصنف کے حالات، مرض، وفات وغیرہ سے متعلق مرتب نے اضافہ کئے ہیں،

(۱) مقالہ اول (صفحہ ۱) تعمیل اوامر، اجتناب نواہی و رضا بالقضا پر ہے، فرماتے ہیں،

لابد لکل مومن فی سائر احوالہ من ثلثۃ اشیاء امر یمتثلہ و نہی یجتنبہ و قدر یرضی بہ فاقل حالۃ لا یخلو المومن فیہا من احد ھذہ الاشیاء الثلثۃ،	ہر مومن کے لئے ہر حال میں یہ تین چیزیں لازمی ہیں، ایک یہ کہ حکم الٰہی کی تعمیل کرے، دوسرے یہ کہ ممنوع سے بچتا رہے، تیسرے یہ کہ قضائے الٰہی پر راضی رہے، پس مومن کے لئے کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ ان تینوں چیزوں سے خالی نہ ہو،

(۲) مقالہ دوم (صفحہ ۱۴) اتباع سنت و ترک بدعت پر ہے، آغاز کلام یوں کرتے ہیں:-

اتبعوا ولا تبتدعوا واطیعوا ولا تفرقوا و وحدوا ولا تشرکوا ولیفعل اللہ ما یشاء ویحکم ما یرید ونزھوا الحق ولا تتھموا وصدقوا ولا تشکوا واصبروا ولا تجزعوا واتبعوا علی الطاعۃ ولا تفرقوا

پیروی (سنت) کرتے رہو اور بدعت نہ اختیار کرو، اطاعت کرو، اور دائرۂ طاعت سے باہر نہ ہو، توحید خداوندی کو مانو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، کہ وہی جو کچھ چاہتا ہے اپنی مشیت سے کرتا ہے، اسکو ہر عیب سے پاک سمجھو اور اس پر تہمت نہ لگاؤ، اور تصدیق (اسلام) کرو اور شک میں نہ پڑو، صبر سے کام لو اور بے صبری نہ کرو، طاعت حق پر جمے رہو اور

بے جا عذر میں تفرقہ نہ ڈالو

آگے چل کر اس مقالہ میں یہ تعلیم ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے اور غفلت کے دور کرنے میں تاخیر نہ کرو، اور شب و روز استغفار تقصیر اور رجوع الی اللہ کرنے کو اپنے اوپر بار نہ سمجھو،

(۳) مقالۂ سوم (صفحہ ۱۴-۱۸) اس بحث سے متعلق ہے کہ ابتلاء و مصیبت سے بندہ کے لئے مقصود کیا ہوتا ہے،

اس میں بڑی خوبی اور صحت کے ساتھ سالک کی نفسیت کی تشریح کی ہے فرماتے ہیں کہ جب انسان پر کسی قسم کا دکھ درد وارد ہوتا ہے، تو سب سے پیشتر تو وہ اپنی ذاتی قوت و تدبیر سے اس کے دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے، جب اس میں کامیابی نہیں ہوتی تو خلق کی جانب رجوع کرتا ہے، مثلاً سلاطین، امراء، اہل ثروت

وغیرہ سے، یا اگر بیمار ہے تو اطبار کی جانب رجوع کرتا ہے، جب اس میں بھی ناکام ہو چکتا ہے تو پروردگار عالم کی درگاہ میں دعا و تضرع کے ذریعہ سے حاضر ہوتا ہے انسان کی فطرت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ جب تک وہ خود دفع مضرت پر قادر ہے، خلق سے بے نیاز رہتا ہے، جب اپنے تئیں مجبور پاتا ہے، تو خلق کے سامنے دست اعانت دراز کرتا ہے، جب ادھر سے بھی سہارا نہیں رہتا تو خالق کے آستانہ پر جبین نیاز رگڑتا ہے، اور نہایت خشوع و خضوع، الحاح وزاری کے ساتھ کبھی امیدوارانہ کبھی مایوسانہ دعا میں مشغول ہو جاتا ہے، جب مشیت الٰہی اسکو اس میں بھی ناکام رکھتی ہے، اور اس کی دعا قبول نہیں ہوتی تو رفتہ رفتہ اُس کی نظر میں تمام اسباب بے حقیقت ہو جاتے ہیں، اور اسے انقطاع الی اللہ حاصل ہو جاتا ہے اس وقت بندہ تمام تعلقات سے آزاد، روح مجرد رہ جاتا ہے، اور اوصاف بشریت، ہوا و ہوس خواہش، آرزو وغیرہ اس سے رخصت ہو جاتے ہیں، اس وقت اسے اتنی صفائی باطن اور نورانیت قلب حاصل ہو جاتی ہے کہ اسے ہر فعل کی فاعل ذات خالق ہی نظر آنے لگتی ہے، اور یہ یقین شہودی حاصل ہو جاتا ہے کہ تمام موجودات میں فاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور ہر راحت و سکون، ہر خیر و شر، ہر سود و زیان، ہر عطا و بخل، ہر کشایش و بندش، ہر موت و حیات، ہر عزت و ذلت، ہر تونگری و افلاس کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ قادر مطلق ہی کی قدرت کا ایک ظہور ہے تاآنکہ یہ سلسلہ معرفت کامل پر جا کر منتہی ہوتا ہے، یعنی بندہ کو ہر شئے کا مبدأ و مرجع ذات خداوندی ہی محسوس ہونے لگتی ہے، اسرار قدرت اس پر روشن ہونے لگتے ہیں، وہ خالق ہی کے کان سے سنتا ہے، اسی کی حمد و ثنا، شکر و دعا میں لگ جاتا ہے،

اب ذیل میں باقی چھتر بابوں میں سے جستہ جستہ کے صرف عنوات ملاحظہ فرمایئے اوپر کے مختصر تعارف کے بعد یقین ہے کہ محض "نفافہ" سے "مضمون" کا اندازہ ہو جایگا۔

(۴) المقالۃ الرابعۃ فی مراتب الموت عن الخلق والھوی والارادۃ (صـ ۱۸-۲۵)	چوتھا باب، مخلوقات اور خواہش اور ارادہ کی طرف سے فنا کے مراتب میں،
(۵) المقالۃ الخامسۃ فی تشبیہ حال الدنیا واشتغال اھلھا بھا (صـ ۲۵-۲۶)	پانچواں باب دنیا اور دنیا کی طرف اہل دنیا کی مشغولیت کی مثال میں،
(۶) المقالۃ السادسۃ فی الغنا من الخلق والھوی (صـ ۲۶-۴۰)	چھٹا باب، مخلوقات اور خواہش سے بے نیازی کے بیان میں،
(۹) المقالۃ التاسعۃ فی بیان الکشف والمشاھدۃ (صـ ۶۰-۶۴)	نواں باب کشف ومشاہدہ کے بیان میں،
(۱۰) المقالۃ العاشرۃ فی بیان مخالفۃ النفس، (صـ ۶۴-۶۸)	دسواں باب مخالفتِ نفس کے بیان میں،
(۱۳) المقالۃ الثلثۃ العشر فی التعلیم علی قضاء اللہ و قدرہٖ، (صـ ۸۱-۸۹)	تیرہواں باب قضائے الٰہی کی تعلیم ورضا کے بیان میں،
(۱۶) المقالۃ السادسۃ عشر فی المنع عن الاعتماد علی الخلق	سولھواں باب، مخلوقات اور اسباب پر تکیہ کرنے سے

والاسباب (ص ۹۴-۱۰۰)	ممانعت کے بیان میں،
(۱۷) المقالۃ السابعۃ عشر فی معنی الوصول الی اللہ سبحانہ (ص ۱۰۱-۱۰۸)	سترہواں باب وصول الی اللہ کے معنی کے بیان میں،
(۱۸) المقالۃ الثامنۃ عشر فی بیان معنی الرضاء (ص ۱۰۸-۱۱۵)	اٹھارہواں باب، رضا کے معنی کے بیان میں،
(۲۳) المقالۃ الثالثۃ والعشرون فی بیان القناعۃ (ص ۱۲۳-۱۲۷)	تیئیسواں باب قناعت کے بیان میں،
(۲۷) المقالۃ السابعۃ والعشرون فی بیان الخیر والشر (ص ۱۵۸-۹)	ستائیسواں باب خیر وشر کے بیان میں،
۳۸ المقالۃ الثامنۃ والثلثون فی بیان الصدق والاخلاص فی سبحانہ تعالیٰ (ص ۲۲۶-۲۲۸)	اڑتیسواں باب اللہ تعالیٰ کے حضور میں صدق و اخلاص رکھنے کے بیان میں،
(۴۸) المقالۃ الثامنۃ والاربعون فی حماقۃ من اشتغل بالنوافل وعلیہ فرائض (ص ۲۷۵-۲)	اڑتالیسواں باب اس شخص کی حماقت کے بیان میں جس پر فرائض باقی ہوں اور وہ نوافل میں مشغول ہو جائے،
(۵۰) المقالۃ الخمسون فی الزھد (ص ۲۷۹-۲۸۳)	پچاسواں باب زہد کے بیان میں،
(۶۱) المقالۃ الحادی والستون فی بیان الورع والتقوی (ص ۳۳۱-۳۳۴)	اکسٹھواں باب، پرہیزگاری اور تقویٰ کے باب میں،

(۶۳) المقالۃ الثلٰثۃ والستون فی بیان الاخلاص والریا (ص۳۴۵) — ترسٹھواں باب اخلاص اور ریا کاری کے بیان میں،

(۷۱) المقالۃ الحادی والسبعون فی الصبر مع البلاء (ص۳۷۶) — اکہتروان باب مصیبتوں پر صبر کے بیان میں،

(۷۸) المقالۃ الثامنۃ والسبعون فی بیان الخصال العشرۃ لاہل باب المحاسبۃ والمجاہدۃ — اٹھترواں باب اہل محاسبہ ومجاہدہ کی دس خصلتوں کے بیان میں،

اب ذیل میں متفرق مقامات سے جا بجا اقوال وتعلیمات ملاحظہ کرتے چلئے۔ باب ۵، میں شیخ اپنے فرزند کو وہ دستور العمل بتاتے ہیں، جس سے انسان عارف کامل بن سکتا ہے، آج کل کے "قادری،، مشایخ کو یہ سُن کر بڑی ہی مایوسی ہوگی، کہ ان کے شیخ الشیوخ کے اس دستور العمل میں نہ کہیں تعلیم یا غوث پکارنے کی ہے، نہ کہیں یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کا نعرہ لگانے کی، نہ گیارہویں منانے کی، نہ خرقہ وجبہ کی زیارت کی، نہ کوئی نیاز چڑھاوا، توشہ ماننے کی، بلکہ تمامتر تاکید ہے پابندی شریعت کی اور ضبط نفس ومجاہدہ اور ادائے حقوق عباد کی، ارشاد ہوتا ہے :-

اوصیک بتقوی اللہ وطاعتہ — میں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا

ولزوم ظاہر الشرع — تقویٰ اور طاعت اختیار کرو،

وسلامۃ الصدر وسخاء النفس — اور احکام شریعت کی پابندی

وبشاشۃ الوجہ وبذل الندی — لازم رکھو، اور سینہ کو خباثت

وکف الاذی وحمل الاذی	نفس سے صاف رکھو اور نفس میں
والفقہ وحفظ حرمات المشائخ	جوانمردی رکھو اور کشادہ رو رہو
وحسن العشرۃ مع الاخوان	اور جو شے عطا کرنے کے قابل ہو
والنصیحۃ للاصاغر وترک	اسے عطا کرتے رہو، اور ایذا دہی سے
الخصومۃ مع الارفاق	باز رہو، اور خود آزار خلق کا تحمل
وملازمۃ الایثار ومجانبۃ	کرتے رہو، اور آداب درویشی نگاہ
الادخار (ص ۳۹۵-۳۹۶)	نگاہ میں رکھو، اور بزرگوں کی بزرگ
	داشت کرتے رہو، اور برابر والوں
	سے حسن معاشرت رکھو اور خردوں
	کو نصیحت کرتے رہو اور اپنے

رفیقوں سے جنگ نہ کرو اور ایثار کو اپنے اوپر لازم کر لو اور ذخیرۂ مال فراہم کرنے سے بچو۔

فقر کی حقیقت دو لفظوں میں بیان فرما دی ہے۔

وحقیقۃ الفقر ان لا تفتقر	فقر کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی ہی جیسی
الی من ھو مثلک (ص ۳۹۶)	ہستی (یعنی کسی بندہ) کا محتاج نہ رہو،

طریق تصوف کی تحصیل کس طرح انسان کے لئے ممکن ہے؟

والتصوف ما اخذ من القیل	قیل و قال (بحث و گفتگو) سے
والقال ولکن اخذ من الجوع	نہیں بلکہ گرسنگی سے اور دنیا کی
وقطع المعروفات والمستحسنات	خوشگوار و محبوب اشیا کے ترک سے،

طریقت کی بنیاد کار ان آٹھ خصلتوں پر ہے، اُن میں سے ہر ایک کا مظہر ایک ایک نبی ہوا ہے، ان کے نقش قدم کی پیروی طالب سالک کے لئے

ناگزیر ہے،

التصوف مبنی علی ثمان	تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے
خصال السخاء لابراہیم والرضا	سخاوت ابراہیمؑ پر، رضا اسحٰقؑ
لاسحٰق والصبر لایوب والاشارة	پر، صبر ایوبؑ پر، مناجات زکریاؑ
لزکریا والغربة لیحیی و	پر، غربت یحییٰؑ پر، خرقہ پوشی
لبس الصوف لموسی والسیاحة	موسیٰؑ پر، تجرد عیسیٰؑ پر اور
لعیسی والفقر لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم	فقر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر،

ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ ایک پیر مرد آپ سے دریافت کر رہے ہیں کہ بندہ کو اللہ سے قریب کرنے والی کونسی چیز ہے، آپ نے فرمایا کہ جو شئے قرب الٰہی پیدا کرتی ہے، اس کا ایک درجہ ابتدائی ہے اور ایک انتہائی، درجۂ ابتدائی ورع (ممنوعات شرعی سے احتراز) ہے، اور درجۂ انتہائی رضا و تسلیم و توکل (ص ۲۷) لوگوں نے مدت سے ساری توجہ کا مرکز اوراد و اشغال یا نوافل کو بنا رکھا ہے اور فرائض و واجبات کو گویا بھلا دیا ہے، اور اسی کو درویشی سمجھ رہے ہیں، ایسے کم فہم آپ کے زمانہ میں بھی تھے، لیکن آپ کا ارشاد ہے،

ینبغی للمومن ان یشتغل اولاً	مومن کو چاہئے کہ سب سے پہلے فرائض
بالفرائض فاذا فرغ منها اشتغل	پر توجہ کرے، جب یہ ادا کر چکے تب
بالسنن ثم یشتغل بالنوافل فمن	سنتوں کو اختیار کرے، اس کے بعد
لم یفرغ من الفرائض	نوافل پر متوجہ ہو، لیکن جو شخص ابھی
فالاشتغال بالسنن حمق و	فرائض ہی سے فارغ نہیں ہوا ہے

ودعونه فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض لم یقبل منه واھین، (صـ ۲۷۴)

اس کے لئے سنتوں میں مشغول ہونا حماقت و نادانی ہے، اس لئے کہ ادائے فرائض کے بغیر سنن و نوافل غیر مقبول رہیں گے اور جو شخص ایسا

فتوح الغیب مقالہ ۴۸

فرائض کو چھوڑتے ہوئے سنن و نوافل میں مشغول ہونے والے کی

فمثله کمثل رجل یدعوه الملك الی خدمته فلا یاتی الیه ویقف بخدمة الامیر الذی هو غلام الملك وخادمه وتحت یدیه،

مثال اس شخص کی سی ہے کہ اسے بادشاہ تو اپنے پاس بلا رہا ہو، اور وہ بادشاہ کے حضور میں تو نہ جائے، بلکہ ایک امیر کی خدمت میں حاضر رہے جو خود ہی اس

فتوح الغیب اردو مقالہ ۴۸

نمازی جب تک فرض نہ ادا کرے، اسکے نوافل غیر مقبول رہتے ہیں، (صـ ۲۷۶)

اسی طرح اُس نمازی کے نوافل بھی جو سنتوں کو چھوڑ نوافل ادا کر رہا ہو (صـ ۲۷۶) اور نماز کی سنتیں اور نفلیں تو پھر بھی ایک درجہ رکھتی ہیں، جب ان کا یہ حال ہے، تو پھر اُن طبع زاد اوراد و اذکار، وظیفوں اور عزیمتوں میں مشغولی کی کیا بساط ہے جن کی کوئی سند، ضعیف بھی، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہونچتی! اور اکثر اُن سے مقصود بھی دنیا ہی کسی نہ کسی شکل سے ہوتی ہے!

ایک قول اور سن کر کتاب کا ورق الٹ دیجئے، ارشاد ہوا ہے کہ شرک محض صنم پرستی کا نام نہیں، بلکہ اپنی خواہش نفس کی پیروی کرنا، یا اللہ کے علاوہ غیر اللہ کی طلب کرنا، یہ سب شرک میں داخل ہے (صـ ۲۴۳)

"قادریت" کے اس سب سے بڑے صحیفہ کے اس اجمالی مطالعہ کے بعد للہ ارشاد ہو کہ آج "مشایخ قادریہ" کو اپنے جن رسوم پر ناز ہے، اور جن بدعتوں کا نام انھوں نے طریق قادریہ رکھ لیا ہے، انہیں حضرت شیخ جیلانی کے تعلیم کئے ہوئے فقر و تصوف سے کوئی بھی نسبت ہے؟

باب[۵] (۵)

عوارف المعارف

(شیخ شہاب الدین سہروردیؒ)

پورا نام ابو حفص شہاب الدین عمر بن محمد البکری سہروردی ہے، عام لقب شیخ الشیوخ تھا، معاصر صوفیہ دور دور سے ان سے مسائل دریافت کرتے، اور مباحث تصوف کی تحقیق میں ان سے رجوع کرتے،

ولادت ماہ رجب ۵۳۹ھ میں ہوئی، وفات محرم ۶۳۲ھ میں پائی گویا ۹۳ سال کی عمر ہوئی، مولد عراق عجم کا قصبہ سہرورد تھا، مزار بغداد میں ہے قیام عموماً بغداد ہی میں رہا،

والد ماجد کا نام شیخ محمد قریشی ملتا ہے، سلسلۂ نسب ۱۲ واسطوں سے حضرت صدیق اکبرؓ تک پہونچتا ہے، مرجع خلائق تھے، حضرات صوفیہ میں ایک

---

[۵] ماخذ:- (۱) نفحات الانس (مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ) مطبوعہ کلکتہ،
(۲) سفینۃ الاولیاء (شہزادہ دارا شکوہ) مطبوعہ لکھنؤ،
(۳) خزینۃ الاصفیاء جلد ۲ (غلام سرور لاہوری)
(۴) مدینۃ العلوم (ازنیقی)

مسلّم امام سمجھے گئے ہیں، بلکہ چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ کی طرح ایک مستقل سلسلۂ سہروردیہ کے بانی،

ان کے حقیقی چچا شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ خود ایک مشہور عارف اور صاحب نسبت بزرگ ہوئے ہیں، پہلے انہی کے مرید ہوئے، اور پرورش بھی انہی کے سایۂ عاطفت میں پائی لیکن طبیعت کا رجحان علم کلام کی جانب تھا فن کی متعدد کتابیں ازبر کرلی تھیں شفیق چچا اکثر اس سے روکتے تھے، طبیعت کوئی اثر قبول نہ کرتی، ایک روز وہ حضرت شیخ جیلانی کی خدمت میں انہیں ہمراہ لے حاضر ہوئے، شیخؒ کا سن وفات ۵۶۱ھ ہے اس لئے شیخ شہابؒ کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ ۲۰-۲۱ سال کی ہوگی، چچا نے راستہ میں فرمایا کہ "دیکھو ایک ایسے بزرگ کی خدمت میں حاضر ہورہے ہیں، جن کا قلب اللہ تعالیٰ کی خبر دیتا ہے، ان کے دیدار کی برکتیں حاصل کرنا، حضرتؒ کی خدمت میں پہونچ کر انھوں نے عرض کی کہ حضرت میرا یہ بھتیجا علم کلام میں مشغول رہا کرتا ہے، ہر چند روکتا ہوں، اثر نہیں ہوتا" حضرت نے ان سے مخاطب ہوکر پوچھا، عمر کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں؟ انھوں نے نام گنائے، حضرت نے سن کر اپنا دست مبارک ان کے سینہ پر پھیرا،

روایت کے راویوں نے آگے خود شیخ کا یہ بیان ~~فی اللہ اعلم صحیح~~ یا غلط[۱] نقل کیا ہے کہ

"ہاتھ کا پھیرنا تھا کہ سجز ایک لفظ بھی مجھے ان کتابوں کا یاد نہ رہ گیا، خدا نے تمام مسائل کلامیہ میرے دل سے محو کردیئے اور قلب کو علم لدنی سے لبریز کردیا"

۱ؔ غالباً غلط اس لئے کہ علم کلام بہرحال دین ہی کی خدمت اور اہم خدمت کے لئے ہے اگر اس کے بجائے فلسفہ کا نام ہوتا تو روایت قرین قیاس ہوجاتی،

علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے، ازیقی کے الفاظ ہیں،

کان فقیہاً فاضلاً صوفیاً	فقیہ فاضل تھے، صوفی متقی تھے،
ورعاً زاہداً عارفاً	زاہد عارف تھے، اپنے زمانہ میں
شیخ وقتہ فی علم الحقیقۃ	علم طریقت کے شیخ تھے، تربیت
والیہ المنتہیٰ فی تربیۃ المریدین	مریدین میں کامل تھے،

شیخ کے مریدین بہ کثرت تھے، اور کامل و فاضل جو بجائے خود صاحب سلسلہ ہوئے ہیں، مثلاً شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ حمید الدین ناگوری، شیخ نجیب الدین علی برغش وغیرہم،

متعدد تصانیف چھوڑیں، نام صرف چند کے معلوم ہیں،

۱- رشف النصائح،

۲- اعلام الہدیٰ فی عقیدۃ ارباب التقی،

۳- بہجۃ الاسرار (مناقب غوث اعظم)

۴- عوارف المعارف،

(۱) تصنیف

عوارف المعارف کا سنہ تصنیف ۵۲۰ھ ہے، شیخ اُس وقت بہت ہی کم سن تھے، تاہم کتاب کو صوفیہ میں پوری طرح حسن قبول حاصل ہے، اور کتاب ہر طبقہ میں مستند سمجھی گئی ہے، بلکہ متاخرین کے سلوک کے علمی حصہ کا بڑا ماخذ کہنا چاہئے کہ یہی کتاب ہے، اصل عربی میں متعدد بار چھپ چکی ہے، فارسی ترجمے ایک سے زائد ہو چکے ہیں، اردو میں بھی ترجمہ شائع ہو چکا ہے،

کتاب کے دو حصے ہیں اور ۶۲ باب، ۳۲ باب حصۂ اول میں اور ۳۱ حصۂ دوم میں
خطبہ کتاب (آج کی اصطلاح میں، مقدمۂ کتاب) میں حمد و نعت کے بعد ہی سببِ تالیف یہ بیان کرتے ہیں کہ گروہ صوفیہ میں انحطاط پیدا ہو چلا ہے، انکے اعمال فاسد ہوتے جاتے ہیں، ان کے نقال بہت سے پیدا ہو گئے ہیں، اتباع کتاب و سنت کا سر رشتہ ہاتھوں سے چھوٹ گیا ہے، اور خلقت حقیقت تصوف کی جانب سے بدگمان ہو چلی ہے،

اس کے بعد ابواب کتاب کی فہرست درج کرتے ہیں، جو اس زمانہ کے دستور سے الگ ایک چیز تھی، اور اس کے خاتمہ پر جنید بغدادیؒ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہ

"ہمارے اس علم (طریقت) کی بساط سالہا سال ہوئے کہ لپیٹ کر رکھدی گئی، اور ہم اب اس کے حاشیہ پر گفتگو کر رہے ہیں"

خود بہ صد تاسف و حسرت فرماتے ہیں کہ

بد اهذا القول منه فی وقته	یہ اس وقت ارشاد ہوا تھا جبکہ
مع قرب العهد بعلماء السلف	وہ وقت علمائے سلف و صلحائے
وصالحی التابعين فكيف	تابعین کے قریب تھا، تو اب
ما مع بعد العهد وقلة العلماء	ہمارے زمانہ کا کیا بیان ہو جبکہ
الشاهدين والعارفين	اس قدر زمانہ اور گذر چکا ہے
بحقائق علوم الدين،	اور علمائے زاہدین اور حقائق دین
	کے عارف کم ہو گئے ہیں،

انحطاط طریق کی یہ صورت ۵۶۰ھ میں تھی، آج ۱۳۶۵ھ ہے، اس آٹھ سو برس میں پستیاں کتنی حد سے گذر چکیں، ان کی تفصیل کے لئے کوئی قلم میں قوت کہاں سے لائے؟

مطالب کتاب کے ایک سرسری و اجمالی اندازہ کے لئے عنوانات ابواب پر جستہ جستہ نگاہ کافی ہوگی،

(۱) فی ذکر منشاء علوم الصوفیہ (ص ۱۰)

اس میں علم تصوف اور علوم متعلقہ کی ابتدائی تاریخ اور ان کے مبدا اور منشا کا بیان ہے،

(۲) فی ذکر تخصیص الصوفیۃ بحسن الاستماع (ص ۱۱-۱۶)

اس میں کلام الٰہی اور کلام رسول ؐ کے حسن استماع اور اسکی برکتوں کا ذکر ہے،

(۵) پانچواں باب ماہیت تصوف پر ہے، (ص ۲۹-۳۴)

(۷) تا (۹) یہ تین باب متصوف، ملامتی اور مصنوعی اہل تصوف پر ہیں، (ص ۳۷-۴۴)

(۱۰) یہ باب مرتبۂ مشیخت کی شرح میں ہے، (ص ۴۴-۴۶)

(۱۳) تا (۱۵) یہ تین باب اہل خانقاہ و اہل صفہ کی باہمی نسبت و تعلقات کے بیان میں ہے، (ص ۵۵-۶۳)

(۱۶) تا (۱۸) یہ تین باب صوفیہ کے آدابِ سفر و قیام اور ان کے متعلقات پر ہیں، (ص ۶۳-۷۷)

(۲۱) صوفیہ متجرد و متاہل کے احوال و مقاصد میں (ص ۸۰-۹۱)

(۲۲) تا (۲۵) یہ چار باب سماع اور اس کے متعلقات کے آداب و شرائط

کے نذر ہیں، (صفحہ ۹۱-۱۰۹)

(۲۹) و (۳۰) ان دو بابوں میں اخلاق صوفیہ کا بیان ہے (صفحہ ۱۲۰-۱۴۵)

(۳۲) فی آداب الحضرۃ الالٰہیۃ لاہل القرب، (صفحہ ۱۴۷-۱۵۰)

اہل قرب کے آداب حضوری پر ہے،

یہاں جلد اول ختم ہو گئی، آگے جلد دوم کے صفحات کے ہندسے ہیں،

(۳۳) تا (۳۵) تین باب مقدمات طہارت، وضو اور اسرار وضو کے بیان میں ہیں، (صفحہ ۲-۸)

(۳۶) تا (۳۸) نماز اور اس کے فضائل، آداب و اسرار کا بیان ہے، (صفحہ ۸-۲۲)

(۳۹) تا (۴۱) روزہ اور اس کے فضائل و اسرار کا بیان ہے (صفحہ ۲۳-۲۷)

(۴۴) آداب و لباس پر ہے (صفحہ ۳۳-۳۷)

(۴۵) و (۴۶) فضائل شب بیداری پر اور اسباب معین شب بیداری پر ہیں، (صفحہ ۳۷-۴۱)

(۴۸) عبادات شب کی تقسیم میں ہے، (صفحہ ۴۵-۴۷)

(۵۰) عبادات روز کی تقسیم میں ہے، (صفحہ ۵۲-۵۹)

(۵۱) فرائض و آداب مرید پر ہے، (صفحہ ۵۹-۶۵)

(۵۲) فرائض و آداب مرید پر ہے، (صفحہ ۶۵-۶۹)

(۵۶) معرفت نفس و مکاشفۂ صوفیہ کے بیان میں ہے، (صفحہ ۷۹-۸۸)

(۵۸) حال و مقام کی تشریح اور ان کا فرق، (صفحہ ۹۲-۹۵)

(۶۰) مقامات کی تفصیل اور اس ضمن میں توبہ، صبر، ورع، فقر، شکر، خوف، رجا، توکل و رضا کا بیان، (صفحہ ۱۰۰-۱۱۰)

(۶۱) احوال کی تشریح ہے، (صلا۱۱-۱۲۱)

(۶۲) بعض مصطلحات صوفیہ کی تشریح، جمع و تفرقہ، تجلّی و استتار، غیبت و شہود، وغیرہ کا بیان (صلا۱۲-۱۲۶)

اکثر اکابر صوفیہ کی طرح شیخ سہروردیؒ بھی کتاب اللہ و سنت رسولؐ پر عبور رکھتے تھے، علوم قرآن کے فاضل اور فقہ و حدیث کے عالم تھے، جو کچھ لکھتے ہیں، اس میں برابر قال اللہ و قال الرسول سے استناد کرتے جاتے ہیں، یہانتک کہ جو باب اصولی و تعلیمی حیثیت رکھتے ہیں، ان میں اکثر کا عنوان ہی کسی آیت یا حدیث کو رکھتے ہیں، گویا اس باب میں جو کچھ بیان ہوگا وہ قرآن و حدیث ہی سے مستنبط ہوگا، چند مثالیں اسکی بھی قابل ملاحظہ ہیں،

باب ۲۸ تقسیم قیام اللیل پر ہے، اس کا عنوان اس آیہ کریمہ کو بنایا ہے، والذین یبیتون لربھم سجداً و قیاماً۔

باب ۵۰ شرح حال صوفیہ پر ہے، اس کا آغاز اس پورے ارشاد نبوی سے کرتے ہیں

قال انس بن مالکؓ قال لی رسول اللہ صلعم یا بنی ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لاحد فافعل ثم قال یا بنی وذالک من سنتی ومن احیاء سنتی فقد احیانی ومن احیانی کان معی فی الجنۃ

انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے فرزند اگر تم صبح اور شام اس حال میں کر سکو کہ تمھارے دل میں کسی کی طرف سے میل نہ ہو تو ایسا کرو پھر فرمایا اے فرزند میری سنت ہے، جس نے میری سنت کو زندہ کیا، اس نے خود مجھے زندہ کیا، اور جو

باب۴ ادائے حقوق صحبت و اخوت پر ہے، اس عنوان کو زینت آیات
ذیل دے رہی ہیں:۔

۱۔ وتعاونوا علی البر والتقوی،

۲۔ وتواصوا بالحق وتواصوا بالمرحمۃ

۳۔ اشداء علی الکفار رحماء بینھم،

باب۵ مقامات سلوک پر ہے، اس کے تحتانی عنوانات میں مقام ورع کا
آغاز اس حدیث سے کرتے ہیں، ملاک دینکم الورع۔
اور مقام خوف کا اس حدیث سے راس الحکمۃ مخافۃ اللہ،
اور مقام رجاء کا اس حدیث سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یقول اللہ عز وجل اخرجوا من النار من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من
خردل من ایمان ثم یقول وعزتی وجلالی لا اجعل من آمن بی فی ساعۃ
من لیل او نہار کمن لا یومن بی،

باب۳۳ مقدمات و آداب طہارت پر ہے۔ اس باب کا سرنامہ ذیل کی
آیہ شریفہ کو بتاتے ہیں، فیہ رجال یحبون ان یتطہروا واللہ یحب المطہرین
اس وقت یہ جو عام خیال پھیلا ہوا یا پھیلا دیا گیا ہے کہ تصوف و طریقت
دین اسلام سے الگ ایک مستقل نظام مذہبی کا نام ہے، اور اس خیال کے پھیلانے
والوں میں یورپ کے پڑھے لکھے "مستشرق" بھی ہیں، تو اس خیال کی کامل و
قطعی تردید کے لئے اس رسالہ کے پچھلے باب بالکل کافی ہیں، ان میں طاؤس الفقراء
سراج، شیخ علی ہجویری، امام ابو القاسم قشیری، اور شیخ جیلانی کے حوالوں سے

یہ پوری طرح ظاہر ہو چکا ہے کہ تصوف اپنی اصلی اور خالص صورت میں اسلام سے الگ ہونا تو کجا، اسی کی کامل ترین صورت کا نام ہے، اور اس میں بیرونی عنصر کی آمیزش تو اس وقت شروع ہوئی، جب خود تصوف میں انحطاط شروع ہو چکا تھا، اور دین کے ہر شعبہ اور ہر گوشہ میں بدعات داخل ہونے لگی تھیں۔

شیخ سہروردی بھی اس باب میں دوسرے اکابر طریقت کے بالکل ہمزبان ہیں، ان کے نزدیک تصفیۂ قلوب اور تزکیۂ نفوس براہ راست تعلیمات مصطفوی کا ثمرہ ہے، اور جو شخص اس سرچشمۂ رشد وہدایت سے جتنا زیادہ سیراب ہوا، اسی قدر صفائے قلب وتزکیۂ نفس سے بھی وہ زیادہ بہرہ اندوز ہوا۔ (عوارف ص۶)

تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام، علم لغات، معانی وبیان، لغت ونحو، غرض سارے علوم ظاہر جو فہم شریعت میں کام آتے ہیں، اور بہ ظاہر ضد تصوف سمجھے جاتے ہیں، حقیقۃً وہ سب مقدمات ومبادی طریقت کا کام دے سکتے ہیں، (ص۸)

خلقت کی اصل ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے، ساری کائنات اسی کے طفیل میں ہے، اور یہی ذات اقدس دنیا میں علم وہدایت لے کر آئی، پس جو شخص اپنی پاکیزہ طینتی کے لحاظ سے جتنا زیادہ قرب ومناسبت اس جوہر گرامی سے رکھتا ہے، اسی قدر وہ علم وہدایت سے بہرہ اندوز ہوتا ہے، اور دوسروں کی ہدایت کا باعث بنتا ہے، یہی گروہ، گروہ صوفیہ ہے، یا قرآن کی اصطلاح میں گروہ مقربین، (ص۱۰۹)

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:-

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه اولئك الذین هداهم الله واولئك هم اولوا الالباب (سنہ سر ع ۲)	اے پیمبر آپ ہمارے ان بندوں کو مژدہ پہونچا دیں جو ہمارے کلام کو حسن استماع کے ساتھ سنتے اور اسکی اچھی باتوں پر چلتے ہیں، یہی لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی، اور یہی لوگ عقلمند ہیں

گویا ہدایت کا اصل راز حسن استماع ہے، پھر صوفیہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ آیۂ بالا کے لفظ "اولوا الالباب" میں جس شے کو "لب" یا دانش سے تعبیر کیا ہے، اس کے کل حصے سو ہیں، ان میں سے ننانوے حضرت رسالت کے حصہ میں آگئے باقی ایک حصہ تمام کائنات کے مومنین پر تقسیم ہوا ہے، یہ مقدار بجائے خود اکیس حصوں پر شامل ہے، اس کے ایک حصہ یعنی کلمۂ شہادت میں سب کلمہ گو برابر کے شریک ہیں، رہے باقی بیس حصے، سو ان میں مومنین بہ لحاظ اپنی قوت ایمانی کے ایک دوسرے سے برتر و فروتر ہیں، آیۂ بالا میں جس اَحْسَنُ القول کا ذکر آیا ہے وہ وہی ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، بس جو شخص اس کے اتباع اور اس کے حسن استماع میں جتنا زیادہ انہماک رہے گا، اسی قدر وہ صفت تقرب سے زیادہ موصوف ہوگا، اور اسی صفت رکھنے والے کا نام صوفی ہے (ص ۱۳)

اور یہ جو کلام مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ

یایها الذین آمنوا استجیبوا لله وللرسول اذا دعاكم	اے ایمان والو! اللہ اور اسکے رسول کی دعوت کو بہ گوش ہوش قبول کرو

لما یحییکم، (انفال - ع ۳)

جب رسول خدا تمھیں اس امر کی جانب دعوت دیتے ہیں جو تم میں نئی ح

سو شیخ واسطی رح نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ زندگی سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے کو تمام علائق سے لفظاً و عملاً ہر طرح آزاد کرلے، اور بعض صوفیہ اسکی تفسیر میں کہتے ہیں کہ

استجیبوا اللہ بسرائرکم وللرسول بظواھرکم فحیاۃ النفوس بمتابعۃ الرسول صلعم وحیاۃ القلوب بمشاہدۃ الغیوب وھو الحیاء من اللہ تعالیٰ برویۃ التقصیر (ص ۲۳)

اللہ کی دعوت قبول کرو اپنے باطن سے اور رسول کی دعوت اپنے ظاہر سے، اس لئے کہ نفوس کی حیات عبارت ہے پیروی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور قلوب کی حیات عبارت ہے مشاہدہ غیب سے جس کے معنی یہ ہیں کہ گناہ کے

ان مقدمات سے صرف ایک ہی نتیجہ نکل سکتا تھا اور وہی شیخ نے نکالا ہے یعنی تصوف نام ہے قولاً، فعلاً، حالاً ہر حیثیت سے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا (ص ۲۶) اور اسی پر مداومت سے جب اہل تصوف کے نفوس مقدس ہوجاتے ہیں، حجابات اٹھ جاتے ہیں، اور ہر شے میں اتباع رسول ہونے لگتا ہے، تو اب حق تعالیٰ ان سے محبت کرنے لگتا ہے، اس لئے کہ وعدہ الٰہی موجود ہے،

قل ان کنتم تحبون اللہ

کہ اے پیغمبر آپ کہدیجئے کہ اگر تم اللہ

فاتبعونی یحببکم اللہ — کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا،

پیروی رسول عین محبت الٰہی کی علامت ہے اور پیروی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صلہ بھی محبت الٰہی قرار دیا گیا ہے،

فاوفر الناس حظاً من متابعۃ الرسول اوفرھم حظاً من محبۃ اللہ تعالیٰ والصوفیۃ من بین طوائف الاسلام ظفروا بحسن المتابعۃ (صفحہ ۲۶)

بس جو شخص جتنا زیادہ تبع رسول ہے، اسی قدر زیادہ وہ محبت الٰہی کا بھی حصہ دار ہے، اور صوفیہ ہی نے اسلامی گروہوں میں سب سے بڑھکر اتباع رسول کیا ہے،

حیات نبوی کے جتنے بھی شعبے ممکن ہیں، اُن سب میں صوفیہ ہی نے سب سے بڑھکر اتباع سنت نبوی کا حق ادا کیا ہے، مثلاً اعمال نبوی میں کثرت عبادات و قیام تہجد و نوافل صوم و صلوٰۃ کا اور اخلاق نبوی میں عفو و حلم و رافت و رحمت و حیا و تواضع کا اور اقوال نبوی میں مدارات و نصیحت کا اور احوال نبوی میں زہد و توکل، صبر و رضا، خشیت و ہیبت کا، تو گویا گروہ صوفیہ

فاستوفوا جمیع اقسام المتابعۃ وحیواسنتہ باقصی الغایات (صفحہ ۲۷)

نام ہے اس گروہ کا جس نے ہر قسم کی پیروی رسول کا حق ادا کر دیا اور سنت رسول کو انتہائی درجہ تک

بس یہی گروہ صوفیہ صافیہ درحقیقت اس بشارت عظیم کا بھی اہل ہے، جو

حدیث نبوی میں وارد ہوئی ہے کہ،

من احیا سنتی احیانی ومن احیانی کان معی فی الجنۃ	جس نے میرے طریقہ کو زندہ کیا، اُس نے مجھے زندہ کردیا اور جس نے مجھے زندہ کردیا، وہ میرے ہمراہ جنت میں ہوگا،

شیخ عبدالواحد بن زیدؒ صوفیۂ قدیم کے ایک مسلّم سرخیل ہوئے ہیں، ان سے لوگوں نے صوفی کی تعریف دریافت کی تو انھوں نے کہا، کہ

قال القائمون بعقولھم علی فھم السنۃ والعاکفون علیھا بقلوبھم والمعتصمون بسیدھم من شر نفوسھم ھم الصوفیۃ،	جو لوگ سنت رسول پر اپنی عقل کو صرف کرتے ہیں اور اپنے قلب سے متوجہ رہتے ہیں اور اپنے نفس کی خباثت سے اپنے سرور و سرورا کے دامن میں پناہ لیتے ہیں، وہی

شیخ سہروردیؒ اس تعریف کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

ھذا وصف تام و صفھم،	یہ انکی بہترین تعریف ہے جو کی گئی،

آج سوال صرف اتنا ہے کہ ہمارے مشائخ اور پیر زادوں اور ریجی وہ نشینوں میں سے کتنوں پر یہ تعریف صادق آتی ہے؟ اور جو فقر و درویشی کے مدعی، پیروی سنت و شریعت کو اپنے مرتبہ سے پست و فروتر سمجھتے ہیں، ایسے ظالموں، ناانصافوں پر صوفی، کا اطلاق کسی درجہ میں بھی درست ہو سکتا ہے؟

آج پیر و مرشد بن جانے کی بڑی سند یہ ہے کہ یہ پیر صاحب فلاں بزرگ کی اولاد میں ہیں، مخدوم زادہ ہیں، خواجہ زادہ ہیں، ولی زادہ ہیں، لیکن قدیم

اکابر طریقت اس "نسبی" دلیل اور اس کے مفہوم سے بیگانہ نہ تھے، ان کا فرمانا تو یہ تھا کہ

ومرتبۃ المشیخۃ من اعلی المراتب	شیخ ہونے کا مرتبہ تو طریق تصوف
فی طریقۃ الصوفیۃ و	میں ایک اعلیٰ مرتبہ ہے، اور شیخ
نیابۃ النبوۃ فی الدعاء الی اللہ	دعوت الی اللہ میں پیمبر کا نائب
(ص۴۵)	ہوتا ہے،

استحقاق کا معیار بجائے "بزرگ زادگی" کے اپنی ذاتی پیروی راہ حق اور اتباعِ مسلک خیر تھا،

وکثیرا کان شیخنا شیخ الاسلام	ہمارے شیخ شیخ الاسلام ابو النجیب
ابوالنجیب یقول ولدی من	سہروردی اکثر فرمایا کرتے تھے
سلک طریقی واہتدی	کہ میرا فرزند وہی ہے جو میرے
بھدی (ص۴۵)	طریقہ پر چلے، اور میری راہ ہدایت

پھر شیخ ہو جانے کے بعد مرتبۂ کمال کا معیار بھی وہی اتباع و اقتدائے رسول ہے، اگر شیخ کی یہ نسبت اقتدار و اتباع درست ہے، تو حسبِ وعدۂ قرآنی وہ اللہ کی نظر میں محبوب ہو گا، (ص۴۵)

آج بہت سے "بزرگوار" اپنے کو "ملامتی"، اور "قلندری" اور "رسول شاہی" مشہور کئے ہوئے ہیں، فرائض شرعی کو اپنے سے ساقط سمجھے ہوئے ہیں، ارتکاب منہیات میں جری ہیں، اور اپنی وضع قطع، اخلاق و معاشرت، قول و فعل سے انہی احکام شریعت کی تحقیر ہی کیا کرتے ہیں! ——— ملامتیہ اور قلندریہ

تاریخ تصوف کے کوئی نو پیدا فرقے نہیں، ان کا وجود شیخ کے زمانہ میں بھی تھا، بلکہ شیخ تو نفس طریق ملامتیہ کی عظمت کے پوری طرح قائل ہیں، لیکن اس طریق کی تشریح بھی تو اُن کی زبان سے سنئے :-

انہ حال شریف ومقامٌ	یہ ایک معزز حال ہے، اور بلند مقام
عزیز وتمسک بالسنن	ہے، یہ سنت نبوی و آثار صحابہ
والآثار وتحقق بالاخلاص	سے تمسک اور مرتبہ اخلاص کے
(ص ۷۱)	تحقق کا نام ہے،

ملا جامیؒ بہت بعد کے شخص ہیں، لیکن شیخ کے اسی نکتہ اجمال کی شرح وتوضیح وہ بڑی خوبی سے اپنی زبان سے کر گئے ہیں، بہتر ہوگا کہ اس متن کے ساتھ اس کی شرح بھی ملاحظہ کرتے چلئے :-

واما ملامتیہ جماعتے باشند کہ در رعایت	ملامتیہ اس فرقہ کو کہتے ہیں جن کی انتہائی
معنی اخلاص ومحافظت قاعدہ	کوشش مرتبہ صدق واخلاص کے
صدق واختصاص غایت جہد	برقرار رکھنے کی ہوتی ہے (کہ ریا
مبذول دارند ودر اخفاے	ونمایش کی ہوا بھی اعمال وطاعات
طاعات وکتم خیرات از نظر خلق	میں نہ لگنے پائے) اور وہ طاعات
مبالغت واجب دانند تا آنکہ	وحسنات کو نظر خلائق سے مخفی رکھنے
ہیچ دقیقہ از صوابح اعمال فہمل	میں انتہائی کوشش کرڈالتے ہیں،
نگزارند وتمسک بہ جمیع فرائض	دراصل کوئی جزیہ بھی وہ اعمال
ونوافل از لوازم شمرند ومشرب	صالحہ میں سے نہیں چھوڑتے ہیں،

ایشاں در کل اوقات تحقیق معنی اخلاص بود، ولذت شاں در تفرد نظر حق بہ اعمال واحوال ایشاں وہمچناں کہ عاصی از ظہور معصیت پر حذر بود ایشاں از ظہور طاعت کہ مظنۂ ریا باشد حذر کنند تا قاعدۂ اخلاص خلل نہ پذیرد، (نفحات الانس ص ۹، طبع کلکتہ)

اور سارے فرائض اور نوافل کے بجالانے کا انتہائی اہتمام رکھتے ہیں اور اُن کا مسلک یہ ہے کہ ہر وقت حسن اخلاص کے تحقق میں لگے رہتے ہیں، اور انھیں لذت اسی میں آتی ہے کہ ان کے اعمال واحوال پر صرف خالق کی نظر رہے اور وہ اپنی طاعت کو نظر خلائق سے چھپانے میں ایسا ہی اہتمام رکھتے ہیں جیسا دوسرے لوگ اپنی معصیت چھپاتے ہیں [illegible]

معاذ اللہ! کہاں یہ اخلاص مجسم اور پیکر طاعت و تقویٰ گروہ اور کہاں ترک احکام شریعت کا انتساب! ——— " کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا "

لیکن بہروپیوں، ریاکاروں، سوانگ بھرنے والوں کی دنیا کچھ آج سے نہیں، یہ شیخ ہی کے زمانہ سے آباد ہے،

ومن ذالک قوم یسمون نفوسہم قلندریۃ تارۃ وملامتیۃ اخریٰ

یہ لوگ کبھی اپنے کو قلندریہ اور کبھی ملامتیہ مشہور کرتے ہیں،

اس کے بعد شیخ نے ملامتیہ، قلندریہ اور صوفیہ کے حدود الگ الگ ظاہر کرکے پھر آگے لکھا ہے کہ

" گمراہوں کے ایک گروہ نے اپنے کو ملامتیہ مشہور کر رکھا ہے، اور صوفیہ کا

لباس پہن رکھا ہے، تاکہ اس کا بھی شمار صوفیوں میں ہو، حالانکہ انھیں کوئی لگاؤ بھی صوفیہ سے نہیں، بلکہ یہ لوگ دھوکے اور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، اور صوفیوں کا لباس کبھی اپنے کو بچانے کے لئے اور کبھی کسی دوسرے دعوی کے ساتھ پہنتے ہیں اور اہل اباحت کی راہ چلتے ہیں، اس زعم میں پڑے ہوئے کہ ان کے ضمیر اللہ کی جانب راجع اور خالص ہو گئے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہی کامیابی معقصود ہے، اور یہ کہ شریعت کی پابندیاں تو عوام کے لئے ہیں جن کی عقلیں کوتاہ ہیں اور جو تقلید و اقتدار کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں،

یہ عین الحاد اور زندقہ اور جہل ہے، یہ فریب میں پڑا ہوا گروہ اس حقیقت سے جاہل ہے، کہ شریعت نام ہے حق عبودیت کا، اور حقیقت عبودیت ہی ہے، اور جو شخص اہل حقیقت سے آگاہ ہوگا، وہ حق عبودیت اور حقیقت عبودیت میں مقید ہوگا، (ص ۴۲)

ایسے ہی بدعتیوں کے باب میں حضرت عمر فاروقؓ کا یہ قول فیصل موجود ہے کہ

ان اناسا کانوا یوخذون	عہد رسالت میں تو لوگوں سے مواخذہ
بالوحی علی عہد رسول اللہ	وحی کی بنا پر کیا جا سکتا تھا، لیکن
صلی اللہ علیہ وسلم ان الوحی	اب جبکہ سلسلۂ وحی منقطع ہو چکا ہے،
قد انقطع وانما ناخذکم	اب ہم تم سے مواخذہ تمھارے
الآن بما ظہر من اعمالکم	اعمال ہی کی بنا پر کریں گے بس
فمن اظہر لنا خیرا امناہ	جس کے اعمال خیر ہم پر ظاہر ہونگے
و قربناہ ولیس الینا من	ہم اسے قبول کریں گے اور اس سے

سریرۃ شئ اللہ تعالیٰ یحاسبہ فی سریرتہ من اظہر لنا سوی ذالک لم نامنہ وان قال سریرتی حسنۃ،

قربت کریں گے ہمیں اس کے باطن سے کچھ غرض نہیں، اس کے باطن کا حساب کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے لیکن اگر اس کے اعمال (خیر کے علاوہ) دوسری صورت میں ہم پر ظاہر ہوئے، تو ہم اُسے قبول ﻫ
ﻫ نہیں کرتے کے خواہ وہ کہتا رہے کہ میرا باطن آراستہ ہے

فاروق اعظمؓ ہی کا ایک دوسرا ارشاد بھی ہماری رہبری و رہنمائی کیلئے موجود ہے

فاذا رأینا متھاونا بحدود الشرع مھملا للصلوٰۃ المفروضات لا یعتد بحلاوۃ التلاوۃ والصوم والصلوٰۃ ویدخل فی المداخل المکروھۃ المحرمۃ نردہ ولا نقبلہ ولا نقبل دعواہ ان لہ سریرۃ صالحۃ

جب ہم کسی کو دیکھیں گے حدود شرع کی طرف سے غیر متوجہ اور نماز فرض کو چھوڑے ہوئے اور یہ کہ وہ تلاوت قرآن اور روزہ اور نماز سے لذت نہیں پاتا اور وہ حرام و مکروہ مقامات میں در آتا ہے تو ہم اس سے انکار کرینگے اور اس کے اس دعویٰ کو ﻫ
ﻫ قبول نہ کریں گے کہ وہ باطن تو صالح رکھتا ہے،

جنید بغدادیؒ ایک مرتبہ معرفت الٰہی پر گفتگو کر رہے تھے، ایک شخص نے سوال کیا کہ آیا اہل معرفت ترک اعمال صالحہ کے مقام تک بھی پہونچ سکتے ہیں؟ حضرت جنیدؒ نے طیش و برہمی کے ساتھ ارشاد فرمایا،

ان ھذا قول قوم تکلموا

یہ اُس گروہ کا قول ہے جو ترک اعمال

باسقاط الاعمال وذلك
عندی عظیمة والذی
یسرق ویزنی احسن حالاً
من الذی یقول هذا وان
العارفین بالله اخذوا
الاعمال من الله والیه
یرجعون فیها ولو بقیت
الف عام لم انقص من
اعمال البر ذرة الا ان
یحال بی دونها وانها
الاکد فی معرفتی واقوی
لحالی۔

کا قائل ہے، میرے نزدیک یہ بہت
بڑی دیدہ بیباکی ہے، اور جو چوری
کرتا ہے اور زنا کرتا ہے، اس کا
بھی حال اس قول کے اختیار کرنے
والے سے بہتر ہے، عارفوں نے
اپنے اعمال اللہ تعالیٰ سے حاصل
کئے ہیں، اور ان ہی اعمال کے ساتھ
وہ اس کی جانب واپس ہونگے،
میری عمر تو اگر ایک ہزار سال کی
ہو جب بھی میں ان اعمال خیر سے
ایک ذرہ کم نہ کروں بجز اس کے
کہ کوئی میرے اور ان کے درمیان

حائل ہو جائے، وہ اعمال میری معرفت میں زیادہ پختہ اور میرے حال کے لئے بہت قوی ہیں۔

اور یہ جنیدؒ "سید الطائفہ" ہوئے ہیں،

لیجئے شیخ نے اپنے علاوہ سند اپنے سید کی اور ان سید کے بھی سید عمر فاروقؓ کی پیش کر دی، اب اس کے بعد بھی کوئی اور درجہ باقی رہ جاتا ہے؟

باب[۱] (۶)

فوائد الفواد

خواجہ نظام الدین اولیاء سلطان المشائخؒ

اب تک جن بزرگوں اور ان کی تعلیمات و ہدایت سے تعارف ہوا وہ سب ہندوستان سے باہر کے تھے، اور اکثر کی تو سکونت بھی باہر ہی رہی، اب ایک ایسے بزرگ کے درس و ہدایات کا سامنا ہے جو ہندوستان ہی کی خاک سے اُٹھے، اور اسی سرزمین میں اپنی ساری زندگی گذاری، اور اتفاق سے زمانہ بھی وہ پایا، جب ہندوستان کا اسلام ہندویت اور ہندیت سے اچھا خاصہ متاثر ہو چکا تھا، اور مسلمانوں کو یہاں رہتے سہتے کئی صدیاں گذر چکی تھیں، چھٹی ہجری میں بخارا سے دو سید زادے سید علی اور سید عرب ہندوستان

---

۱ ماخذ:- (۱) سیر الاولیاء (میر خورد دہلوی)
(۲) راحت القلوب (ملفوظات خواجہ فریدؒ مرتبہ خواجہ نظام)
(۳) فوائد الفواد (ملفوظات خواجہ نظامؒ مرتبہ میر حسن سنجری)
(۴) راحت المحبین (" " مرتبہ امیر خسرو)
(۵) افضل الفوائد (" " " " " " ")
(۶) درر نظامی (غیر مطبوعہ) (ملفوظات خواجہ نظامؒ مرتبہ شیخ علی محمود جاندار)
(۷) تاریخ فیروز شاہی (ضیاء برنی)
(۸) اخبار الاخیار (شیخ عبد الحق دہلوی)
(۹) نفحات الانس (ملا جامیؒ)

وارد ہوئے، قیام پہلے لاہور میں کیا، پھر آج کل کے صوبۂ متحدہ کے شہر بدایوں
میں، اور یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی، بدایوں اُس وقت عالموں اور
درویشوں کا شہر تھا، اور اس مناسبت سے قبۃ الاسلام کہلاتا تھا، ایک کے
صاحبزادہ سید احمد کا عقد دوسرے کی صاحبزادی بی بی زلیخا کے ساتھ ہوا، اور
اس عقد کا ثمر، اُس ہستی کے قالب میں ظاہر ہوا، جس پر خاک بدایوں ہی کو نہیں
خاک ہند کو ناز ہے، ولادت ۲۷ صفر ۶۳۶ھ کو ہوئی، والدین نے نام فخر کائنات
کے اسم مبارک پر محمد رکھا، شہرت عام کی زبان نے نظام الدین ادیا، کہہ کر پکارا،
اولیائے معاصرین کی زبانیں نظام الاولیاء، نظام الحق والدین، سلطان المشائخ
اور محبوب الٰہی کے القاب پر کھلیں،

شجرۂ نسب پدری و مادری دونوں سلسلوں سے بہ واسطہ سیدنا حضرت
حسینؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہونچتا ہے
عمر کا پانچواں سال تھا کہ سایہ پدری سر سے اٹھ گیا اور عرب کے یتیم کی اُمت کا یہ
گوہر بے بہا بھی یتیم رہ گیا، والد ماجد حضرت سید احمد ایک متقی و مقدس بزرگ
تھے، مزار بدایوں میں اس وقت تک زیارتگاہ خلائق ہے، اب تربیت کی ذمہ داری
والدہ ماجدہ بی بی زلیخا پر پڑی، یہ اپنے زہد و تقویٰ کے لحاظ سے اپنے وقت کی
رابعہ بصریہ تھیں، مزار نواح دہلی میں اب بھی عقیدتمندوں کا مرجع ہے،

تذکروں میں ہے کہ صاحب نسبت و مستجاب الدعوات تھیں، دعاؤں کے
تیر ہدف مراد تک پہونچ کر رہتے، کشف تکوینی بھی حاصل تھا، آیندہ واقعات
بارہا منکشف ہو جاتے، آخری مرض میں مبتلا ہوئیں، تو کھانا پانی سب چھوڑ دیا

ہر وقت گریہ طاری رہتا، جمادی الاولیٰ کی آخری تاریخ کی شام تھی، نیا چاند دیکھکر صاحبزادہ حسب دستور سلام کے لئے والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، فرمایا "بیٹے اگلے مہینہ کس کے سلام کو آؤ گے، اور کون دعائیں دیگا" لخت جگر کو معلوم ہو گیا کہ سر سے یہ سایہ بھی اٹھا چاہتا ہے، رو کر عرض کی کہ "اماں جان ہمکو کس پر چھوڑے جاتی ہو؟" فرمایا کہ "اس کا جواب صبح کو لینا، اس وقت جا کر شیخ نجیب الدین متوکل کے ہاں سو رہو" رات میں نیند کسے آتی، صبح سویرے گھر کی خادمہ دوڑی ہوئی پہونچی، کہ فوراً بلایا ہے، دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے، ماں نے پوچھا "بیٹا رات کو خوش رہے تھے"، روکر اور قدموں پر عرض کی کہ "اماں جان میری خوشی تو آپ کی سلامتی کے ساتھ ہے" فرمایا "اب وقت ہے کہ کل کی بات کا جواب لو" یہ کہکر انکا داہنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا پروردگار، اس دکھیارے بیکس کو تیرے سپرد کرتی ہوں" یہ کہا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی،

اللہ کو سونپا ہوا بچہ، بیکس و لاوارث نہیں رہ سکتا تھا، ذہانت، ذکاوت، فہم صحیح، شوق علم، حافظہ، یہ سب خداداد نعمتیں بچپن سے موجود تھیں، حفظ قرآن مجید کے بعد دوسرے علوم شروع کئے، اور اکثر میں پوری دستگاہ بہم پہونچالی، بدایوں خود ہی کاملین فن کا مرکز تھا، مزید ذوق علم کی کشش یہاں سے دہلی لائی، اور یہاں باقی علوم کی بھی تکمیل ہو گئی، دستار بندی بدایوں میں ہو چکی تھی، دہلی میں آکر فقہ و حدیث کی بھی باضابطہ سند و اجازت حاصل ہوئی، علوم و فنون میں بحث و گفتگو کا بڑھا ہوا شوق دیکھ طلبہ و علماء کے حلقہ میں نام نظام الدین بحاث پڑ گیا،

ادھر علوم ظاہری میں یہ انہماک جاری تھا، ادھر فطرت مسکرا مسکرا کر ایک دوسری ہی زندگی کے لئے تیار کر رہی تھی، قیام ابھی بدایوں ہی میں تھا، اور سن بھی ۱۲ سال کے اندر ہی کہ ایک قوال کی زبان سے حضرت خواجہ فرید گنج شکرؒ کے وہ کمالات سننے میں آئے، کہ دل غائبانہ عقیدت کا مسکن ہو گیا، یہانتک کہ ہر نماز کے بعد یا فرید کا ورد شروع ہو گیا تھا، دہلی آتے ہوئے راستہ میں حضرت موصوف کے اور بھی تذکرے سنے، اشتیاق بڑھا، دہلی پہونچے تو پڑوس میں شیخ نجیب الدین متوکل کا ملا، وہ خود حضرت فریدؒ کے خلیفہ اور عزیز خاص تھے، آپ کے ذریعہ سے جو حالات و کمالات سنے، انھوں نے شوق و عقیدت کی آگ کو اور تیز کر دیا، یہانتک کہ ایک روز جامع مسجد دہلی میں ایک خوش لحن قاری کی زبان سے آیۂ کریمہ

الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ — کیا ابھی ایمان والوں کیلئے وقت نہیں آیا کہ ان کے قلب ذکر الٰہی کے آگے جھک جائیں،

سن کر دل بے چین ہو گیا، اور جی میں ٹھن گئی کہ ترک علائق کرکے مرید ہو جائیے، لوگوں نے مشورہ شیخ نجیب الدین سے بیعت ہو جاؤ کا دیا، مگر خود شیخ نے فرمایا کہ مرید ہونا ہے تو وقت کے دو بزرگوں میں سے کسی سے بیعت ہو جاؤ، ایک حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، دوسرے حضرت بابا فرید جودھنی دوسرے ہی دن آپ دہلی سے چل کھڑے ہوئے، لیکن دل اب بھی ذرا متردد تھا کہ راستہ اجودھن اور ملتان میں سے کہاں کا اختیار کیا جائے؟ آخر ایک شب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، اور حکم ملا کہ "اجودھن کا راستہ اختیار کرو" عمر کے بیسویں سال ۱۵ رجب ۶۵۵ھ کو اس سفر کی آخری منزل ختم ہوئی

بعد ظہر خواجہ فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جذبۂ اشتیاق ادھر سے بھی زوروں پر تھا، سلام میں خود ہی سبقت فرمائی گئی اور نظر پڑتے ہی یہ شعر زبان مبارک پر آیا ؎

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ ۔۔۔ سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

بیعت کے ساتھ خلعت خلافت بھی مرحمت ہوئی، اور ارشاد ہوا کہ نظام الدین میں تو ولایت ہندوستان کسی اور کو دینا چاہتا تھا کہ غیب سے ندا آئی کہ انتظار کرو، نظام بدایونی آرہا ہے اور وہی اس ولایت کے لائق ہے"

مرشد کی خدمت میں ایک عرصہ تک سرگرم رہنے کے بعد حسب الحکم دہلی واپس ہوئے، اور مجاہدوں اور ریاضتوں میں مصروف ہو گئے اخفائے حال کا اسقدر اہتمام تھا کہ جہاں ایک جگہ قیام فرمانے کے بعد لوگوں کو بزرگی کا کچھ پتہ چل سکے مکان تبدیل فرما دیتے اور کسی دوسرے محلہ میں اُٹھ جاتے، بالآخر جب خلقت کا ہجوم زیادہ رہنے لگا، تو اشارۂ غیب پا کر شہر سے باہر جنوب میں غیاث پور میں سکونت اختیار فرمائی، اور یہیں آخر عمر تک قیام رہا، یہ وہی مقام ہے جو اب بستی نظام الدین اولیاء کہلاتا ہے،

ابتدائی زمانہ پیر و مرشد کی سنت میں بڑی تنگی و تنگدستی کا گذرا، شروع میں کئی سال تک یہ حال رہا کہ مسلسل کئی کئی دن تک کوئی آمدنی کہیں سے نہ ہوتی اور فقر و فاقہ کی نوبت رہتی، چند سال بعد مرشد کی دعا سے یا (جیسا کہ دوسری روایتوں میں ہے) کسی مجذوب کی توجہ کی برکت سے اس کے برعکس فارغ البالی پیدا ہوئی، اور وہ بھی اس شدت سے کہ اچھے اچھے دنیادار

رئیسوں کو رشک آنے لگا، باورچی خانہ دن رات گرم رہتا تھا، لنگر ہر وقت جاری تھا، مہمان خانہ مہمانوں کے ہجوم سے پُر رہتا تھا، اور مہمانداری کا خرچ کئی ہزار ماہوار کا تھا، اس امارت و ریاست کے ساتھ اس درویش کی اپنی یہ حالت تھی کہ سال کے سال برابر روزہ رہا کرتے تھے، اور افطار و سحر کے وقت، موٹے قسم کی غذا اور وہ بھی قلیل مقدار میں تناول فرماتے تھے، غرض یہ کہ "خوش خوری" اور "طباخی" کے جتنے بھی انتظامات تھے، دوسروں کے لئے تھے، اپنی ذات کے لئے اصلا نہیں، خادموں پر تاکید رہتی تھی کہ جو کچھ آتا رہے روزانہ سب نکلتا بھی رہے، اور جمع مطلق نہ ہونے پائے، جمعہ کے دن اس کا اہتمام اور زیادہ ہو جاتا تھا اور جب تک توشہ خانہ مال اور غلہ سے بالکل صاف نہ کرا دیا جاتا، نماز جمعہ کے لئے تشریف نہ لیجاتے نکاح کی نوبت نہیں آئی، ساری عمر تجرد میں گذری، ایک بہن تھیں، ان کی اولاد کا سلسلۂ نسل بحمد اللہ جاری ہے، اور خاندان کا سلسلۂ نسل اسی ذریعہ سے قائم ہے خلق کا رجوع، تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ بڑی ہی کثرت سے رہا، عوام درویش، امراء، وزراء، سب ہی اس شمع کے پروانے تھے، لیکن آپ کے استغناء کا یہ عالم تھا کہ خود کسی امیر و وزیر کے ہاں تشریف نہیں لے گئے، شکایتیں دربار شاہی تک پہونچیں اور فرمان سلطانی پہونچا کہ کبھی کبھی دربار میں حاضری ہوتی رہے، لیکن ایسے فرمان کی کبھی تعمیل نہیں کی گئی، اس طریق عمل سے بارہا عتاب سلطانی کی نوبت آئی، بلکہ کبھی کبھی سخت خطرے بھی پیش آگئے، لیکن جو گردن صرف رب الارباب کے آگے جھکنے کے لئے خلق ہوئی تھی وہ کبھی کسی گردن کش سلطان و فرماں روا یا امیر و وزیر کے آگے کیسے جھک جاتی، دہلی کے تخت پر

جب قطب الدین مبارک شاہ بیٹھا (۷۱۶ھ ۱۳۱۶ء) تو روایت ہے کہ حاسدوں اور دراندازوں کے کہے سنے میں آکر حضرت شیخ سے عناد رکھنے لگا، پہلے قسم قسم کی سختیاں کیں، اس کے بعد اس پر اصرار کیا کہ اگر ہر ہفتہ نہیں تو کم از کم ہر مہینہ چاند رات کو دوسرے "مشایخ" وقت کی طرح شیخ بھی ضرور ایوان شاہی میں حاضر ہوا کریں، معتقدوں اور مریدوں نے معاملہ کی نزاکت اور غضب سلطانی کی اہمیت کا اندازہ کرکے بہ منت و الحاح عرض کی کہ کم از کم ایک مرتبہ تو بادشاہ کی خوشی پوری کر دیجئے یہاں تک کہ شوال کا مہینہ ختم ہوا اور ذیقعدہ کی چاند رات آگئی، لیکن عین اسی شب میں بادشاہ کے منظور نظر غلام خسرو خاں نے اپنے خنجر سے بادشاہی کا کام تمام کر دیا

ہجوم خلائق سے یہ نہ ہوتا کہ کبھی ذکر و شغل میں فرق پڑ جائے، ساری ساری رات عبادت اور ریاضت کی نذر ہو جاتی، جب حجرہ کا دروازہ کھلتا تو دیکھنے والے دیکھتے کہ شب بیداری سے ایک عجب قسم کی روحانی و نورانی مستی چہرہ پر پیدا ہو گئی ہے! ——— مرید خاص و مخلص با اختصاص امیر خسرو کا یہ شعر ایسے ہی کسی مرقع کی منظر کشی کر رہا ہے ؎

تو شبانہ می نمائی بہ بر کہ بودی امشب
کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد

عمر شریف اسی سے اوپر ہو چکی تھی، اس سن پر بھی دائمی مداومت صوم کا معمول جاری رہا،

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے الفاظ میں

حق تعالیٰ او را قبولے تمام داد
وخاص و عام را بوے رجوعے

حق تعالیٰ نے آپ کو نہایت مقبول
بنادیا، اور خاص و عام سب کا

شد و ابواب فتوح بروے مفتوح
گشت و عالمے از موائد احسان
و انعام او تمتع گرفتند و او خود
به ریاضت و مجاهده می بود، گویند
که او آخر عمر که سن شریفش از
هشتاد تجاوز شده بود به غایت
مجاهده پیش گرفته بود و صوم دوام
داشتے و به وقت افطار اندک
چیزے چشیدے و طعامیکه وقت
سحر بودے اکثر چنان بودے
که نخوردے، خادم عرضه داشت
کردے که مخدوم وقت افطار
طعام کمتر میخورند اگر از طعام
سحر اندک تناول نه کنند حال
چه شود و ضعف قوت گیرد،
دریں محل بگریستے و گفتے که چندیں
مسکینان و درویشان در
کنجهاے مساجد و دوکانها گرسنه
و فاقه زده افتاده اند ایں طعام

رجوع آپ کی طرف ہو گیا، آپ پر
فتوحات کا دروازہ کھل گیا، اور ایک
عالم آپ کی مہمان نوازی اور عنایتوں
سے سیراب ہونے لگا، لیکن آپ
خود برابر ریاضت و مجاہدہ میں لگے
رہے، یہانتک کہ آخر عمر میں جب
سن شریف اسّی سے متجاوز ہو چکا
تھا، آپ انتہائی مجاہدوں میں مشغول
رہتے تھے اور صوم دوام رکھتے تھے،
افطار کے وقت بہت قلیل غذا ہوتی
اور سحر بھی اکثر ایسا ہوتا کہ نہ کھاتے
خادم عرض کرتے کہ افطار ہی کے وقت
کیا غذا ہوئی تھی، اگر سحری بھی چھوٹ
گئی تو ضعف و نقاہت سے کیا حال
ہو گا، یہ سنکر مخدوم رونے لگتے،
اور فرماتے کہ اتنے فقیر اور محتاج
مسجدوں اور دوکانوں میں بھوکے
اور فاقہ سے پڑے ہیں، میرے
حلق سے نوالہ کیونکر اتر سکتا ہے

درحلق من چگونہ فرو رود و ہمچناں ——— یہ فرماتے اور کھانا سامنے سے

طعام از پیش بر می داشتند" ——— ہٹا دیتے،

کثرت عبادت کی یہ حالت تھی کہ ساری ساری رات نماز کی نذر ہو جاتی، نماز جماعت کا یہ اہتمام تھا کہ ۹۰ سال کی عمر میں ضعف و لاغری کے باوجود بالاخانہ سے شریک جماعت ہونے کیلئے اتر کر نیچے تشریف لاتے، کثرت صوم کا یہ عالم تھا کہ عمر گویا روزہ ہی میں گذار دی، پانچ ممنوع دنوں کو چھوڑ کر سال کا سال روزہ ہی میں گذرتا، عمر کی زیادتی کے ساتھ غذا میں کمی فرماتے گئے، یہانتک کہ ضعیفی کے زمانہ میں خادم جب کھانا پیش کرتے تو آپ کبھی ایک روٹی، کبھی آدھی روٹی یا کوئی بدذائقہ ترکاری (جیسے کریلا) نوش فرمالیتے، اور باقی سب لذیذ و نفیس غذائیں دسترخوان پر بیٹھنے والوں کے آگے پیش کر دیتے، اور انھیں اصرار کر کے کھلاتے ——— اپنی حالت گرسنگی اور سیری خواب و بیداری کی تقریباً ایک ہی ہوکر رہ گئی تھی،

معمول یہ تھا کہ دن بھر کے روزہ کے بعد، بعد مغرب بالاخانہ پر تشریف لیجاتے، وہیں مریدوں اور مہمانوں کا مجمع ہوتا، دسترخوان پر رنگ رنگ کی غذائیں، میوے اور شیرینیاں ہوتیں، وہ سب دوسروں کی نذر ہو جاتیں، عشا کی جماعت ادا کرنے کو نیچے تشریف لاتے، اس کے بعد پھر اوپر تشریف لیجاتے، اس وقت باریابی کی اجازت صرف مخصوص مریدوں کو ہوتی، اکثر امیر خسرو لطائف و حکایات سناتے، اور حضرت تسبیح پڑھتے رہتے، کچھ دیر بعد یہ تخلیہ کی مجلس بھی برخاست ہو جاتی، خادم خاص خواجہ اقبال پانی چند لوٹوں میں بھر کر رکھ دیتے کہ صبح تک کئی بار طہارت و وضو کی ضرورت ہو جاتی تھی، حضرت اندر سے دروازہ بند کر کے نماز اور ذکر و شغل میں مشغول ہو جاتے، سحری کے وقت

ایک دوسرے خادم عبدالرحیم ناشتہ لے کر حاضر ہوتے، آپ دروازہ کھول کر کھانا اکثر واپس فرما دیتے، کبھی برائے نام کچھ نوش فرما لیتے، گریہ کثرت سے طاری رہتا، خادموں نے دوسرے وقتوں کے علاوہ سحری کے وقت بھی گریہ کرتے پایا، بعض خادموں نے دسترخوان پر ادھ چبے نوالے پائے، دریافت سے پتہ چلا کہ جو لقمہ لذیذ معلوم ہوتا ہے، اسے دہن مبارک سے واپس نکال کر رکھ دیا جاتا ہے ——— آج محفل سماع کے لئے حضرتؒ کے نام کی ... لینے والوں میں کتنے ان ریاضتوں اور مسلسل عمر بھر کے مجاہدوں میں حضرتؒ کی تقلید کریں گے؟

وفات سے ۴۰ یوم قبل غذا بالکل ترک ہو گئی تھی کھانے کی خوشبو تک گوارا نہ تھی گریہ وزاری بہت بڑھ گئی تھی، نفل نمازوں میں سجدے بہت کثرت سے کرنے لگے تھے، نماز سے فراغت کے بعد دریافت فرماتے، نماز میں نے پڑھ لی؟ اور جب جواب ملتا کہ پڑھ لی ہے، تو یہ فرما کر کہ "پڑھ لوں خبر نہیں کہ پھر بھی پڑھوں گا یا نہیں"، پھر پڑھنے لگ جاتے، جب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت بہت قریب آگیا، تو اقبال خادم کی طرف اشارہ کر کے سب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اس نے کوئی چیز گھر میں باقی رکھی تو قیامت کے دن اس کی ذمہ داری اس کے اوپر ہے" خادم نے تھوڑی دیر بعد عرض کیا کہ کچھ غلہ درویشوں کی خوراک کے لئے رکھ لیا ہے، باقی اور سب کچھ تقسیم کر دیا ہے، ناخوش ہو کر فرمایا کہ "اس کو بھی ابھی لٹا دو اور توشہ خانہ میں جھاڑو پھیر دو" تعمیل فوراً ہوئی۔

وفات صحیح تر روایت کے مطابق چہارشنبہ، ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ، ۱۵ دسمبر ۱۳۲۴ء کو ۹۸ سال کی عمر میں طلوع آفتاب کے بعد ہوئی، مقبرہ کے لئے ایک عالیشان عمارت بڑے بڑے اونچے گنبدوں والی، زندگی ہی میں کسی بادشاہ وقت

نے (آپ کے معاصر متعدد بادشاہ ہوئے ہیں) یا کسی امیر نے (باختلاف روایت) تعمیر کرادی تھی، مگر اُس میں دفن ہونا پسند نہ فرمایا، اس عمارت کو حسب وصیت مسجد بنا دیا گیا اور اس کے صحن میں تدفین ہوئی، شروع میں تربت خام و غیر نمایاں تھی، پختہ مزار اول بار تیمور کے حکم سے بنا، مشہور یہ ہے کہ وہ یہاں جب فاتحہ پڑھنے آیا تھا تو اُسے آپؒ کی تربت کا پتہ چلانے میں بڑی دقت پیش آئی تھی، اب جو اسی صحن مسجد میں مزار کی پختہ عمارت سنگ سفید کی ہے، وہ مختصر ہونے کے باوجود نہایت دلکش اور دل کشا ہے، اور بعض اہل کشف کا قول ہے کہ اپنے اندر غیر معمولی کشش اور جاذبیت رکھتی ہے،

مریدوں کی فہرست میں مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ، امیر خسروؒ، میر حسن علا سنجری، شیخ مبارک گوپاموئیؒ، مولانا فخر الدین زرادیؒ، شیخ شمس الدین یحییٰؒ کے نام خاص طور پر ممتاز ہیں، ایک ضعیف روایت یہ ہے کہ مخدوم شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی بھی مرید تھے، خلافت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی کو ملی،

۲۔ تصنیف

ہندوستان کی دنیائے فقر و تصوف میں ایک خاص شہرت و امتیاز سلسلۂ عالیہ چشتیہ کو حاصل ہے، خواجگان چشت کے "پنجتن پاک" نے اپنی تعلیمات و ہدایات کسی مستقل تصنیف کی شکل میں نہیں، بلکہ اپنے ملفوظات کے قالب میں چھوڑی ہیں، مختلف مجلسوں میں جو کلمے زبان سے نکلتے تھے مریدان باصفا انھیں قلمبند کر لیتے تھے، اور مرتب کر کے انہی ملفوظات مبارک کو شائع کر دیتے تھے ——

—— مرشدوں کے ان ارشادات کو جمع اور مرتب کرنے والے خود اپنے اپنی

نوبت پر صاحب ارشاد اور بانی سلسلہ ثابت ہوئے، حضرت خواجہ عثمانی ہارونیؒ کے ملفوظات انیس الارواح کے نام سے خواجہ معین الدین حسن اجمیریؒ نے مرتب فرمائے پھر ان خواجہ خواجگان کے ملفوظات دلیل العارفین کے نام سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے، پھر ان قطب عالم کے ملفوظات فوائد السالکین کے نام سے خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ نے، پھر ان فرید عصر کے دو ملفوظات اسرار الاولیاء اور راحت القلوب کے نام سے شیخ بدر الدین اسحٰق اور خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے جمع فرمائے، شمع سے شمع اسی طرح روشن ہوتی رہی، اور صدیوں تک چراغ سے چراغ جلتا رہا،

اکابر خواجگان چشت کے سلسلہ کے خاتم حضرت نظام الدین ہیؒ ہیں، آپ کا زمانہ ساتویں صدی ہجری کا آخر اور آٹھویں صدی کے شروع کا ہے، آپ کے ملفوظات جمع کرنے کی سعادت ایک سے زائد مریدان باخلاص کے حصہ میں آئی، چنانچہ دو الگ الگ ملفوظات امیر خسروؒ نے راحت المحبین اور افضل الفوائد کے نام سے مرتب کئے اور ایک شیخ علی محمود جاندارؒ نے درر نظامی کے نام سے (یہ آخری ملفوظ اس نامہ سیاہ کے علم میں ابھی تک غیر مطبوع ہے) لیکن نظام الاولیاء کے تمام ملفوظات میں جو ملفوظ سب سے بہتر اور سب سے زیادہ مستند قرار پایا وہ فوائد الفواد کے نام سے شیخ کے مرید باختصاص میر حسن علاء سجزی کا جمع اور مرتب کیا ہوا ہے، اہل دل کے نزدیک یہ کتاب گویا چشتیہ بہشتیہ کے نظام تصوف کا ایک مکمل دستور العمل ہے،

شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں

آں کتاب دستور میان خلفا و مریدان شیخ نظام الدین ست (اخبار الاخیار ص ۹۰)	یہ کتاب شیخ نظام الدینؒ کے مجاہدین و مریدین کے درمیان بطور دستور العمل کے ہے،

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں،

فوائد الفواد و دستور العمل سلوک ست	فوائد الفواد نہایت خوب ہے
و بہ غایت خوب ہر چند	اور فن سلوک کا ایک دستور العمل خسرو
خسرو ہم ملفوظ جمع کردہ لیکن آں قدر	نے بھی ملفوظات جمع کئے ہیں،
مقبول نیست (ملفوظات شاہ	لیکن ان کو یہ درجۂ قبول حاصل
عبدالعزیز ص۳ طبع میرٹھ)	نہیں،
کتاب فوائد الفواد نہایت معتبر است	کتاب فوائد الفواد ہر طرح معتبر
و آں وقت دستور العمل بود دیگر	ہے، اور اپنے زمانہ میں دستور العمل
ملفوظات مشتبہ ست. غالب	رہ چکی ہے، دوسرے ملفوظات
کہ نباشد (ایضاً ص۸)	بھی ہیں، مگر وہ مشتبہ ہیں،

اور یہ شہادتیں، تو خیر بہت بعد کی ہیں، ایک معاصر معارف میر خوردؒ کا اعتراف ملاحظہ ہو:-

امروز آں فوائد الفوائد مقبول	فوائد الفواد اس وقت دنیا کے
اہل دلان عالم شدہ است و	اہل دل طبقہ میں مقبول ہو چکی ہے اور
دستور عاشقان گشتہ و شرق و	عاشقان الٰہی کی دستور العمل بن چکی ہے،
غرب عالم گرفتہ (سیر الاولیار	مشرق و مغرب میں مشہور ہے،

(سیر الاولیاء ص۳۰۷ طبع محب ہند)

خود امیر خسرو کی بابت منقول ہے، کہ رشک کے ٹھنڈے سانس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ کاش میری تمام تصانیف حسن کے نام سے ہوتیں، اور یہ ایک میرے نام سے! (اخبار الاخیار ص۹۵، سیر الاولیار، ص۳۰۶) یہ بھی روایتوں میں آیا ہے کہ حسن نے

اس ملفوظ کو مرتب کرنے کے بعد خود مرشد کی خدمت میں پیش کیا تھا، اور وہاں سے سندِ قبول یا پروانۂ پسند کی مل گیا تھا، (خزینۃ الاصفیار، جلد اول ص ۳۴۴)

اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ فوائد گویا خود حضرت شیخ ہی کی کتاب ہے اور اس میں جو کچھ درج ہے وہ بس شیخ ہی کی تعلیمات ہیں،

پیش نظر نسخہ، نولکشور پریس لکھنؤ کا مطبوعہ، متوسط تقطیع پر ۲۶۰ صفحہ کا ہے اور پانچ حصوں میں تقسیم ہے،

حصہ اوّل ص ۱-۴۱ اس میں شعبان ۷۰۷ھ تا ذی الحجہ ۷۰۸ھ، ۳۴ مجلسوں کا ذکر ہے،

حصہ دوم ص ۴۱-۹۰ اس میں شوال ۷۰۹ھ تا شوال ۷۱۲ھ، ۳۷ مجلسوں کا تذکرہ ہے،

حصہ سوم، ص ۹۰-۱۱۳ اس میں ذیقعدہ ۷۱۲ھ تا ذی الحجہ ۷۱۳ھ، ۱۵ مجلسوں کا بیان ہے،

حصہ چہارم، ص ۱۱۴-۲۱۷، اس میں محرم ۷۱۴ھ تا رجب ۷۱۹ھ، ۶۲ مجلسوں کے مذاکرے ہیں،

حصہ پنجم ص ۲۱۸-۲۶۰، اس میں شعبان ۷۱۹ھ تا رجب ۷۳۲ھ، ۳۲ مجلسوں کے ارشادات جمع ہیں،

اس طرح درمیانی وقفوں کے ساتھ، ۱۵ سال تک پھیلی ہوئی مدت کی کل ۱۷۹ مجلسوں اور صحبتوں کے ارشادات درج ہیں، اور یہ گفتگوئیں شیخ کے ابتدائی زمانہ کی نہیں آخری زمانہ کی ہیں، شروع اس وقت ہوئی ہیں جب شیخؒ کی عمر ۷۰ سے

متجاوز ہو چکی تھی اور بند اس وقت ہوئی ہیں، جب شیخ کی وفات (ربیع الثانی ۷۲۵ھ)
کو کل دو ڈھائی سال رہ گئے تھے،

کتاب تصنیف نہیں ہے، ملفوظ ہے، عام تقریروں اور پبلک لکچروں کا مجموعہ
نہیں ارادتمندوں کے مختصر حلقہ میں شیخ کی زبان سے نکلے ہوئے حقائق و معارف،
لطائف و نکات، محتسب کی زد سے دور، قاضی شریعت کی گرفت سے باہر! اور
پھر وقت اور مقام بھی کون؟ عہد رسالت سے سات سو سال کا بعد، اور وہ وقت
جب ہندی اسلام طرح طرح کی عجمی اور ہندی رنگ آمیزیوں کا معجون مرکب بن چکا
تھا ـــــــ اس حال اور اس ماحول میں خیال تو بیشک یہ قایم ہوتا ہے کہ
احکام شریعت کی کچھ زیادہ پروائیں کی گئی ہوگی، اور عجب نہیں جو اس پرانے دین
شریعت کے مقابلہ میں ایک نئے آئین طریقت کی تلقین کی گئی ہو!

ان شبہات کے ساتھ کتاب کھولئے تو نظر چند ہی سطروں کے بعد اس
عبارت پر پڑتی ہے" اور پڑتے ہی جم جاتی ہے، کہ

سخن در تزکیہ افتاد، بر لفظ مبارک
راند کہ کمال مرد در چہار چیز می شود
قلۃ الطعام وقلۃ الکلام و
قلۃ الصحبۃ مع الانام وقلۃ المنام

ایک روز تزکیہ نفس پر گفتگو تھی، ارشاد
ہوا کہ کمال ان چار چیزوں سے پیدا ہوتا ہے،
کم کھانے سے، کم بولنے سے، کم ملنے
جلنے سے اور کم سونے سے،

لیجئے۔ نہ یہ ارشاد ہوا کہ عرس، خوب دھوم دھام سے کیا جائے، نہ یہ کہ باجہ
گاجہ کا زور ہو، نہ یہ کہ تربتوں پر چادروں اور مٹھائیوں کا ڈھیر لگا دیا جائے، اور نہ
یہ کہ مزارات کے غسالہ کو پیا جائے اور آنکھوں سے لگایا جائے، بلکہ سیدھی سادی

وہی باتیں بتادیں جو اس سے قبل دنیا کے سب سے بڑے معلم و مرشد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے اتباع میں دوسرے ہادیان طریقت ہی بتا گئے تھے یعنی وہی کم خوری، کم سخنی، کم آمیزی اور کم خوابی،

جامع ملفوظات نے کتاب کے شروع میں یہ قاعدہ رکھا ہے کہ ہر مجلس میں جب جب اپنی حاضری کا ذکر کیا ہے، تو وقت حاضری بھی بتاتے گئے ہیں لیکن وقت کی تعیین بجائے اس وقت کے رائج گھڑی گھنٹہ کے نماز کے حساب سے کرتے گئے ہیں یعنی قبل نماز یا بعد نماز، گویا نظام الاولیاء کے نظام اوقات کا محور یا مرکز جو کچھ بھی نماز ہی تھی، بعد کی مجلسوں میں، اس تصریح کا التزام، غالباً غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا ہے، لیکن ساری مجلسوں میں اتفاق سے اور کبھی کبھی نہیں بلکہ باربار اور کثرت سے جن چیزوں کا ذکر ملتا ہے وہ نماز اور روزہ ہیں، اور نوافل و سنن اور قرآن اور تراویح! اور پھر احترام شریعت و اتباع سنت کی تاکیدیں!

فقر و تصوف، شیخ کی نظر میں، نرے وجد و حال، ذوق و کیف کا نام نہ تھا، بلکہ ظاہر و باطن دونوں کی آراستگی کا نام تھا، اس تصریح کے بعد کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جن کا ظاہر آراستہ ہوتا ہے، لیکن باطن خراب اور وہ متعبد کہلاتے ہیں کہ گو طاعت بہت کرتے رہتے ہیں، لیکن دل ان کا دنیا ہی میں پھنسا رہتا ہے، اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جن کا ظاہر خراب ہوتا ہے، اور باطن آراستہ، اور یہ مجذوب کہلاتے ہیں، کہ گو ان کا دل حق سے اٹکا ہوتا ہے، تاہم یہ عمل سے محروم ہیں، اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے ظاہر و باطن دونوں ہی خراب ہوتے ہیں، اور یہ عوام کالانعام ہوتے ہیں، شیخ فرماتے ہیں کہ ان تین طبقوں کے علاوہ چوتھا طبقہ

وبعضے راظاہر وباطن آراستہ ان کا ہوتا ہے جن کا ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہوتے ہیں اور یہی طبقہ

وطائفہ کہ ہم ظاہر ایشاں آراستہ باشد وہم باطن آں مشائخ اند | جن کے ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہوتے ہیں، یہی لوگ مشائخ دفقراء ہیں

اہل طریق اتنا ہی نہیں کہ عمدًا وعادۃً احکام شریعت کے پورے پابند رہتے ہیں بلکہ کسی حال میں بھی فرائض کو ترک نہیں ہونے دیتے، استغراق و تحیر کی ایک منزل ایسی آتی ہے کہ یہاں پہونچ کر اگر تکلیفات شرعی کے ساقط ہونے کا دعویٰ کیا جائے، تو عجب نہیں کہ چل جائے، لیکن نظام الاولیاء کی قوت ایمانی کو اتنی رعایت بھی گوارا نہیں، ایک بار مجلس میں ایسے متحیروں کا ذکر ہوا جو دنیا ومافیہا سے بالکل بے خبر رہتے ہیں، ایک صاحب نے اپنا مشاہدہ عرض کیا کہ فلاں مقام پر میں نے چند متحیروں کو دیکھا جو آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے برابر عالم حیرت میں رہا کرتے تھے لیکن جب نماز کا وقت آتا تو ہوش میں آکر نماز پڑھ لیتے تھے، اور اس کے بعد پھر اسی عالم تحیر میں واپس پہونچ جاتے تھے، خواجہؒ نے اس کی تصدیق فرمائی اور ارشاد ہوا

ہمچنیں باشد کہ گفتی، اگرچہ شب و روز متحیر باشند اما نماز ایشاں فوت نہ شود، از جہت ایں تحیر حکایت شیخ الاسلام حضرت قطب العالم خواجہ قطب الدین بختیار اوشی فرمود قدس سرہٗ کہ اور اہمچنیں | بیشک ایسا ہی ہوگا جیسا تم نے بیان کیا، تحیر میں دن رات رہیں لیکن ان کی نماز چھوٹنے نہیں پاتی، اس سلسلہ میں شیخ الاسلام حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کی تحیر کی حکایت بیان فرمائی کہ وفات

چہار شبانہ روز تحیر بود در وقت نقل (صفحہ ۱۴۴) | کے وقت مسلسل چار شب و روز اُن پر تحیر طاری رہا،

خواجہ قطب الدین بختیارؒ کے وصال کی حکایت عام طور پر مشہور ہے، یعنی محفل سماع برپا تھی، نوبت جب غزل کے اس شعر کی آئی، کہ

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را | ہر زماں از غیب جانے دیگر است

تو قطب عالم کی حالت متغیر ہونا شروع ہوئی، جب خانقاہ سے گھر لائے گئے تو مدہوش و متحیر تھے، بس یہی کہے جاتے تھے کہ ہاں اسی شعر کی تکرار کئے جاؤ ــــــ آگے کا حال خود شیخ کی زبان سے سنئے:۔

ہمیں بیت پیش او می گفتند او ہمچناں متحیر می بود، چوں وقت نماز در آمد نماز می گزارد و باز ہمیں بیت بگویاند، حالتے حیرتے پیدا می آمد چہار شبانہ روز ہم بریں حال بود شب پنجم رحلت نمود (صفحہ ۱۴۴)

اسی شعر کی تکرار برابر ان کے سامنے ہو رہی تھی، اور وہ اسی طرح مدہوش تھے، جب نماز کا وقت آتا نماز پڑھ لیتے اور پھر اسی شعر کی تکرار کرانے لگتے، اور حال و حیرت کا عالم ان پر طاری ہو جاتا، چار شب و روز برابر یہ حالت رہی، پانچویں شب کو

(اہتمام نماز)

اللہ اللہ! کس درجہ کا اہتمام اتباع شریعت میں تھا، یعنی مدہوشی میں بھی ادائے فرائض کا ہوش! ــــــ ایک مستی اور مدہوشی اس خواجہ جنت کی بھی کہ اپنے کھانے پینے، سونے جاگنے، اوڑھنے پہننے، زندگی و ضروریات زندگی کی طرف سے یکسر مدہوش و بیخبر لیکن اللہ کے باندھے ہوئے فرض کے لئے باہوش و باخبر!

اور ایک مستی آج کے مہستوں ،، اور قلندروں" کی ہے کہ اپنے ہر آرام و آرایش بلکہ لطف ولذت کا ہوش اور صرف اللہ کے باندھے ہوئے فرائض کے باب میں مدہوش و بے خبر!

یشیخ جس وقت التفات وشفقت خاص فرماتے اُس وقت بھی تاکید، طاعت وعبادت ہی کی کرتے۔ جامع ملفوظات کہتے ہیں کہ ۱۵ شعبان ۳۰ھ کو جب حضوری نصیب ہوئی تو

بندہ را پیش طلبید، فرمود کہ باید	بندہ کو اپنے پاس طلب فرمایا اور
کہ مشغول پیوستہ بہ طاعت و	ارشاد کیا کہ ہمیشہ طاعت و عبادت
عبادت باشی و بہ اوراد و ادعیہ	میں اوراد اور دعاؤں کے ذریعہ سے
اگرچہ ہم مطالعہ کتاب مشائخ	مشغول رہو، خواہ کتب مشائخ
باشد، مشغول باشی و بیکار نہ	ہی کا مطالعہ ہو، بہرحال مشغول
باشی (ص ۲۴)	رہو، بیکار نہ رہو،

اسی طرح ۲۹ جمادی الاُخریٰ ۱۳۱۷ھ کی مجلس کے تحت میں ذکر ہے، کہ سعادت قدمبوسی حاصل ہوئی۔ نماز جماعت کے فضائل کا تذکرہ ہوا، بندہ سے ارشاد ہوا کہ نماز باجماعت ہی پڑھنی چاہیئے، بندہ نے عرض کیا کہ مکان کے قریب مسجد تو ضرور ہے، لیکن مکان سے اُٹھ کر اگر ہم وہاں جائیں تو گھر پر کوئی کاغذ، کتاب وغیرہ کی حفاظت کے لئے موجود نہیں رہتا، اس لئے مکان ہی پر جماعت کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں، ارشاد ہوا کہ جماعت سے ضرور پڑھنا چاہیئے، اور بہتر یہی ہے کہ مسجد میں پڑھی جائے۔" (ص ۱۰۲) —— آج کتنے چشتی "مشایخ" کے ہاں نماز ہی سرے سے ضروری ہے : جماعت کی تاکید اور مسجد کی اہمیت کا ذکر ہی کیا!

ایک اور موقع پر حضرت سلطان المشائخ ایک اولو بزرگ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ اوراد و تسبیح، نماز و روزہ ان سب کی مثال دیگ کے مصالحہ کی ہے، اور دیگ کا گوشت ترکِ دنیا ہے، سو جس طرح محض نمک اور گھی اور مصالحہ ڈال دینے سے قورمہ نہیں تیار ہو سکتا، جب تک گوشت بھی نہ ملایا جائے، اسی طرح حبِ دنیا کے ترک کئے بغیر سارے اعمال بے نتیجہ ہیں، لیکن جس طرح گوشت اگر موجود ہے تو سب کچھ موجود ہے، اسی طرح ترک دنیا اگر موجود ہے، تو اہل طریق کے ہاں بیچ بوتے تو کافی ہے —— آج "سجادگی" اور "گدی نشینی" کے لئے مقدمہ لڑنے والے پیرزادے اور "نذر و نیاز" اور "چڑھاوے" کی تقسیم کے لئے لاٹھیاں چلانے والے، فوجداریاں کر ڈالنے والے مشائخ زادے ایسے ملفوظ کے لئے کیا کہیں گے؟

لیکن خود ترکِ دنیا کا مفہوم بھی سمجھ لینا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ یہ جوگ اور رہبانیت کے مترادف قرار پا جائے، شیخ فرماتے ہیں،

ترک دنیا آں نیست کہ کسے خود	ترک دنیا کے معنی یہ نہیں کہ انسان
را برہنہ کند مثلاً لنگوٹہ بہ بندد	اپنا لباس اتار دے یا لنگوٹہ باندھے
و بنشیند۔ ترک دنیا آں ست	ترک دنیا کے معنی یہ ہیں کہ انسان
کہ لباس بہ پوشد و طعام بخورد	لباس بھی پہنے اور کھانا بھی کھائے
اما آنچہ میرسد روا بدارد و بہ جمع	البتہ جو کماتا رہے خرچ کرتا رہے،
او میل نہ کند و خاطر را متعلق چیزے	جوڑ جوڑ کر نہ رکھے اور دل کو کسی چیز
نہ آورد ترک دنیا ست (ص۹)	میں اٹکائے نہ رکھے، یہ ترک دنیا ہے

ان اوراق میں یہ بار بار آچکا ہے کہ طریقت، شریعت سے جدا ہے۔ اس کی مخالفت نہیں، بلکہ شریعت ہی کے مغز یا عطر یا روح کا نام ہے، فقہاء نے شریعت کے ظاہری پہلو کو لے لیا، اور فقراء نے اپنی نظر باطنی پہلو پر جمائے رکھی، شیخؒ کے ملفوظات میں اسی خیال کی تکرار ملتی ہے،

ایک روز شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی حکایت بیان فرمائی کہ آپ سیاحی کرتے ہوئے بدایوں وارد ہوئے اور یہاں قیام فرمایا، ایک روز قاضی شہر کے مکان پر ملنے گئے، خدمت گاروں نے کہا کہ ابھی قاضی صاحب نماز میں مشغول ہیں، شیخ نے تبسم کے ساتھ فرمایا، قاضی صاحب نماز پڑھنا جانتے بھی ہیں؟ دوسرے دن قاضی صاحب شیخ کی قیامگاہ پر آئے، اور بولے "کل آپ نے یہ کیسے کہہ دیا تھا کہ قاضی نماز پڑھنا جانتے بھی ہیں؟ میں تو مسائل و احکام نماز پر کتابیں لکھ چکا ہوں" شیخ نے کہا "عالموں کی نماز دوسری ہوتی ہے، اور فقیروں کی دوسری" قاضی صاحب بولے "کیا فقیر کوئی اور قرآن پڑھتے ہیں؟ یا رکوع اور سجدہ کسی نئے طریقہ پر کرتے ہیں، شیخ نے فرمایا کہ عالموں کی نماز بس اسی قدر ہے کہ کعبہ کو نظر میں کریں، یا اگر دور ہیں تو جہت کعبہ کو، اور اگر اس کا بھی پتہ نہ چل سکا تو اندازہ سے جہت کعبہ کو تصور کر کے نماز شروع کر دی، لیکن درویشوں کی نماز یوں نہیں ہوتی، وہ جب تک عرش الٰہی پر نظر نہیں جما لیتے، نماز نہیں شروع کرتے" (ص ۲۳۸-۲۳۹)

آج کے بدعت پرست، حال قال والے صوفیوں کو، وہ حضور قلب والی نماز نہ سہی، وہ قاضی صاحب والی ظاہری نماز بھی نصیب ہے؟

مدت سے ایک لفظ "عشق و محبت" کا گڑھ لیا گیا ہے، ترک عبادت بلکہ

ہر نافرمانی کو اسی پردہ میں چھپا لیا جاتا ہے، لیکن خود یہ محبت اور سچی محبت ہے کیا شے؟ اس کا جواب عاشقوں کے اسی سردار کی زبان سے لیجئے، فرماتے ہیں:

صدق محبت متابعت ست — سچی محبت پیروی ہی کا دوسرا نام ہے

اور پھر فرماتے ہیں کہ محبت کا نقشہ جم جانے کے بعد معصیت کی جرات ہی کیسے باقی رہ سکتی ہے،

چوں کسے محب ایشاں شد ہر آئنہ متابعت ایشاں کند و از ناشایستہ دور باشد، چوں ایں چنیں شود ہر آئینہ گناہ نہ نویسند، آنگاہ فرمود کہ تا محبت حق در غلاف قلب باشد امکان معصیت ست اما چوں محبت در سویدائے قلب در آید ہش امکان معصیت نہ باشد (ص ۲۰۹)

جب کوئی اُن سے محبت کریگا تو یقیناً اُن کی پیروی بھی کریگا اور اعمال ناشایستہ سے دور رہے گا، اور جب ایسا ہوگا تو لامحالہ اس کے گناہ بھی نہ لکھے جائیں گے، پھر ارشاد ہوا کہ محبت حق جبتک غلاف قلب میں ہے گناہ کا امکان باقی ہے، لیکن جب محبت سویدائے قلب میں گھر کر جاتی ہے تو معصیت کا امکان ۴ نہیں باقی رہتا (یعنی عاشق صادق سے نافرمانی ممکن کیونکر ہے؟)

آج کتنے مدعیانِ "چشتیت" کا سارا ساز و سامان، ڈھول اور طنبورہ، ستار اور ہارمونیم کی نغمہ سرائیاں ہیں، اور قوالی کی محفلیں گر نہ جمیں تو پھر درویشی اور خصوصاً چشتیت کا لطف ہی کیا رہا، لیکن ذرا شیخ کی آواز پر کان لگائیے، یہاں باجہ کے ساتھ سماع سرے سے جائز ہی نہ تھا،

کسے از حاضرین گفت کہ ہمدرس — حاضرین محفل میں سے ایک شخص نے

روزے بعضے از درویشانِ آستانہ	کہا کہ ایک روز آستانۂ مبارک کے
وارد بر مجمع کہ چنگ و رباب و	حاضر باش بعض درویش ایسے مجمع
مزامیر بود در رقصہا کردند، خواجہ	میں جس میں چنگ و رباب و مزامیر
ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ نیکو نہ	تھے، رقص کر رہے تھے، حضرت
کردہ اند، آنچہ نامشروع ست	خواجہؒ نے فرمایا کہ بُرا کیا، جو شئے
ناپسندیدہ ست (ص۲۲۷)	شرعاً ناجائز ہے، وہ بُری ہے۔

جب درویش لوٹ کر آئے تو ان پر گرفت ہوئی کہ اس مجلس میں باجہ بھی تھا تم نے سماع کیسے سنا؟ انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ ہم سماع میں اس قدر غرق و مست ہو گئے کہ ہمیں باجہ کے ہونے نہ ہونے کا پتہ ہی نہ چلا، حضرت خواجہؒ نے ارشاد فرمایا کہ "یہ جواب لغو ہے، وہ عمل معصیت ہی لکھا جائیگا" (ص۲۳۲)

آج ہر قسم کی قوالی کے لئے سماع اکابر چشت کو آڑ بنا لینے والے یہ سختیاں اور زبردست جرحیں سُن رہے ہیں؟

ایک اور بار کا ذکر ہے، ایک شخص نے آکر خدمت والا میں عرض کی کہ فلاں مقام پر آپ کے مرید باجہ کے ساتھ سماع سُن رہے تھے، شیخ نے ناگواری کیساتھ فرمایا کہ: بیجا حرکت کی ہے، میں کہہ چکا ہوں کہ باجہ نہ ہو، پھر اسی کی تاکید و تصریح میں فرمایا کہ "نماز اگر جماعت کے ساتھ ہو رہی ہو، اور جماعت میں عورتیں بھی شامل ہوں، اور نماز میں امام کو سہو ہوا ہو، تو مرد تو سبحان اللہ کہہ کر امام کو متنبہ کر سکتے ہیں، لیکن عورت اگر لقمہ دینا چاہے، تو آواز سے نہ کہے، کہ آواز نامحرموں کے کان میں جائے گی، بلکہ صرف ہاتھ پر ہاتھ مار کر امام کو متوجہ کرنے اور

اس میں بھی یہ احتیاط رکھے، کہ ہتھیلی ہتھیلی پر نہ مارے کہ یہ تالی بجانے کی سی شکل ہوگئی اور وہ لہو میں داخل ہے، بلکہ ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی کی پشت پر مارے تو جب لہو کے درجہ کی چیزوں میں یہ احتیاط ہے کہ دستک تک کی اجازت نہیں، تو باجہ کیوں کر جائز ہو سکتا ہے، (صث ۹۵) ———— ڈھول اور طنبورہ والی قوالیوں کی جوکیوں کے سرپرست "مشائخ" اب کیا فرمائیں گے؟

لوگوں نے کہیں سے سن پایا کہ شیخ سماع سنتے تھے، اور بس اسی کو مطلق صورت میں لئے پھرتے ہیں، ظالموں کو اس کی خبر ہی نہیں، کہ آپ کے ہاں قیدیں اور شرطیں کیسی کیسی کڑی لگی ہوئی ہیں،

گفت ہر گاہ کہ چند چیز جمع شود	فرماتے تھے کہ سماع اس وقت سنے
سماع انگاہ شنود، وآں چند	جب یہ چند چیزیں اکٹھا ہو جائیں
چیز چیست؟ مسمع و مسموع و	اور وہ چند چیزیں ہیں کیا؟ ایک مسمع
مستمع وآلہ سماع، انگاہ ایں	دوسرے مسموع تیسرے مستمع، چوتھے
تقسیم را فائدہ فرمود و گفت کہ	آلہ سماع، پھر اس تقسیم کی شرح یوں
مسمع گوئندہ ست آدمی باید کہ	فرمائی، مسمع سے مراد گانے والا ہے
مرد باشد و مرد تمام بود، کودک نہ	اسے مرد بالغ ہونا چاہئے امرد اور
باشد وعورت نہ باشد، مسموع	عورت نہ ہو، مسموع سے مراد کلام
انچہ می گوئند، باید کہ ہزل و فحش نباشد	ہے، کلام میں ہزل و فحش کی آمیزش
مستمع آں کہ می شنود او ہم باید کہ	نہ ہو، مستمع سے مراد سننے والا ہے،
بہ حق بشنود وعلو از یاد حق باشد،	اسے چاہئے کہ اللہ کے لئے سنے،

آلت سماع چوں چنگ و رباب	اور اسکا دل یاد الٰہی سے لبریز ہو، اور آلہ
امثال آں باید کہ درمیان نہ باشد	سماع مثل چنگ و رباب وغیرہ کے کچھ نہ ہو جب
ایں چنیں سماع حلال است ([illegible])	یہ شرائط جمع ہولیں، جب جاکر سماع جائز [illegible]

آج عرس کے کتنے مجمعوں اور قوالی کی کتنی محفلوں میں یہ شرطیں اور قیدیں پوری نہ سہی آدھے درجہ میں بھی ملحوظ رہتی ہیں؟ کتنے سماع خانوں کی مجلسیں اس معیار پر پوری اترتی ہیں؟ ——— لیکن اتنی شرطوں اور قیدوں والے سماع سے متعلق تو بھی ابھی قول فیصل سننا باقی ہے،

سماع صوتے ست وزاں چرا حرام باشد، دیگر تحریک قلب ست اگر آں تحریک بہ یاد حق باشد مستحب واگر میل بہ فساد باشد حرام بود، (ص ۲۴۶)	[illegible]	سماع تو محض آواز موزوں کا نام ہے، محض اتنے کی حرمت کو کوئی وجہ نہیں لیکن ساتھ ہی قلب کی بھی تو تحریک ہوتی ہی، سو اگر یہ تحریک اللہ کی یاد کی موجب تو مستحب ہی لیکن اگر

جس سماع چشتیہ کی اتنی دھوم تھی، اس کی کل حقیقت آپ نے دیکھ لی؟ سب سے بڑی اور تاکیدی شرط یہ ہے کہ باجہ کسی قسم کا نہ ہو، تالیاں تک نہ بجنے پائیں، پھر گانے والے بالغ مرد ہوں[1]، عورتوں اور لڑکوں کے گانے کے جواز کی کوئی صورت ہی نہیں، پھر کلام بھی سرتاسر حقانی ہو، جذبات نفسانی کو بھڑکانے والا نہ ہو، اور سب سے بڑھکر یہ کہ سننے والا تمامتر مرد حق ہو، جذبات نفسانی سے لذت لینے والا نہ ہو، یہ سب شرطیں

---

[1] پیشہ ور گویوں، اور قوالوں کی کوئی گنجائش نہیں، محفل نظامی کے قوال تو امیر خسرو یا امیر حسن جیسے لوگ تھے! کوئی مناسبت ان سے فسق پیشہ قوالوں کو ہے؟

اکٹھی ہوئیں، جب جاکر سماع درست ہوگا، صرف درست، واجب جب بھی نہیں، اور اگر شرطیں پوری نہ ہوئیں، تو حرام! باجہ ہو تو حرام، سننے والے میں، سنانے والے میں، کلام میں، کہیں سے فسق کا دخل ہوگیا تو حرام! —————— اس چودھویں صدی والا تصوف، پہلی صدی ہجری کے مطابق نہ سہی، کاش اسی انیسویں صدی ہجری کے ہندی تصوف کے معیار کے مطابق ہوتا!

باب[1] (۷)

منطق الطیر

(از شیخ فریدالدین عطارؒ)

(۱) مصنّفؒ

مسلّم و مستند کتب تصوف میں ایک بڑا حصہ کلام نظم کا ہے، نثر پر گفتگو ہو چکی اب نظم کا سرسری جائزہ لینا ہے، پہلے نمبر پر حضرت عطارؒ ہیں، جن کا نام حکیم سنائی کے ساتھ ساتھ زبانوں پر آتا ہے،

اسم مبارک محمد بن ابی بکر ابراہیم، کنیت ابو حامد یا ابو طالب، لقب فریدالدین، تخلص عطار، عام زبانوں پر اسم مشہور فریدالدین عطار،

ولادت مضافات نیشاپور میں ہوئی، مزار بھی وہیں ہے،

سنہ ولادت ۵۱۳ھ، سال وفات میں اختلاف ہے، نفحات الانس کی روایت کے مطابق ۶۲۷ھ، عمر کے بہت طویل ہونے پر سب تذکرے متفق ہیں، سبب وفات بھی

---

[1] ماخذ:- نفحات الانس (جامی) (۲) تذکرۂ ہفت اقلیم (امین رازی) (۳) تذکرۃ الشعراء (دولت شاہ سمرقندی) (۴) مفتاح التواریخ (ولیم ٹامس بیل)

سب کو مسلم ہے، یعنی تاتاریوں کے ہاتھ سے جام شہادت نوش فرمایا،

ابتدا میں ایک بڑے دواخانہ کے مالک تھے، ایک روز اپنے کاروبار میں تھے کہ ایک فقیر نے آکر صدا لگائی، کہ اللہ کے نام پر کچھ دلاؤ، یہ کچھ خبر نہ ہوئے، اس نے صدا پر صدا لگائی اور جب دیکھا کہ کچھ اثر نہیں ہوتا تو بولا ایسے دھندے میں لگے ہوئے، تو جان کیسے دوگے؟ یہ جھنجھلا کر بولے "جیسے تم دوگے" فقیر نے کہا بھلا میری طرح کیا دوگے؟ یہ کہا اور سر کے نیچے کشکول رکھ کر لیٹ گیا، زبان سے لا الہ الا اللہ کہا اور روح پرواز کر گئی، شیخ کے قلب پر بڑا اثر پڑا دواخانہ کھڑے کھڑے لٹا دیا اور خود اُسی وقت سے درویشی اختیار کر لی،

پہلے شیخ رکن الدین اسکاف کی خدمت میں کئی سال بسر کئے، پھر سفر و زیارت بیت اللہ کو نکلے، اور بہت سے مشایخ کی خدمت میں رہے، بالآخر شیخ مجد الدین بغدادیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور آگے چل کر سلوک و عرفان کے وہ مراتب طے کئے کہ خود مرشد کے لئے باعث فخر ہوئے،

جلالت قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ مولانائے رومؒ کے کلیات میں شیخ کا نام گویا مقتدا و پیشوا کی حیثیت سے آیا ہے، اور ان کی عظمت کا بار بار اعتراف ہے، مثلاً ؎

گر د عطار گشت مولانا ۔۔۔ شربت از دست شمس بود نوش

یا ایک اور غزل میں ؎

عطار روح بود و سنائی دو چشم او ۔۔۔ ما در پس سنائی و عطار آمدیم

یا ایک اور موقع پر ؎

ہفت شہر عشق را عطار گشت ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

اسی تعظیم واحترام کے ساتھ مثنوی میں بھی جابجا نام لیا ہے اور ان کے اشعار کو اپنے کلام میں ضم کیا ہے،

اور ملا جامی لکھتے ہیں،

آں قدر اسرار توحید وحقائق اذواق	توحید کے جتنے اسرار ونکات اور
ومواجید کہ در مثنویات وغزلیات	وجد وحال کے جتنے لطائف وحقائق
وے اندراج یافتہ در سخناں	عطار کی مثنویوں اور غزلوں میں
ہیچ ازیں طائفہ ثابت نمی شود	ہیں اتنے طبقۂ صوفیہ میں اور کسی کے
جزاہ اللہ سبحانہ عن الطالبین	ہاں نہیں ملتے، اللہ ان کو تمام طالبین
المشتاقین خیر الجزا (نفحات صـ ۴۹۵)	عاشقین کی طرف سے بہترین جزا دے

نظم ونثر میں تصنیفات بڑی کثرت سے چھوڑی ہیں بعض روایتوں کے مطابق تو ان کی تعداد قرآنی سورتوں کے ہم عدد یعنی ۱۱۴ ہے، قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں یہی روایت اختیار کی ہے، چنانچہ کہتے ہیں ؎

ہماں خریطہ کش دار وفنا عطار کہ نظم اوست شفابخش عاشقان حزین
مقابل عدد سورۂ کلام نوشت سفینہاے عزیز و کتابہاے گزین

اس تعداد کی صحت کا علم تو عالم مطلق ہی کو ہے، البتہ ذیل کی کتابیں مستند کہی جاسکتی ہیں، اور ان میں سے بعض تو بہت مشہور بھی ہیں،

(۱) تذکرۃ الاولیاء، ۲ جلد (نثر میں قدماے صوفیہ کا مفصل تذکرہ)

(۲) منطق الطیر۔ (اسی پر تبصرہ آگے آتا ہے)

(۳) مصیبت نامہ (۴) اسرار نامہ (۵) الٰہی نامہ (۶) دیوان (۷) جسیر نامہ (۸) پندنامہ (۹) وصیت نامہ (۱۰) خسرو وگل (۱۱) شرح القلب،

شیخ کی جانب منسوب ایک کتاب لسان الغیب کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے، لیکن اس کے جو اشعار مصنف کی شیعیت کے ثبوت میں پیش کئے گئے ہیں، وہ خود اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ کتاب شیخ کی نہیں ہو سکتی، شیخ کا اہل سنت ہونا اپنی جگہ پر ثابت ہے، اور یہ کلام کسی اہل سنت کا نہیں ہو سکتا،

مزاج میں خاکساری اور فروتنی جس درجہ کی تھی، اس کی شہادت تذکرۃ الاولیا کے دیباچہ کی سطر سطر دے رہی ہے، اپنے کو سب سے زیادہ حقیر و ناچیز سمجھتے تھے، اور شاید یہ اسی انکسار و تواضع ہی کی مقبولیت کا ثمرہ ہے کہ آج ان کا نام سرآمد عاشقان و سرتاج عارفاں کی حیثیت سے زندہ و روشن ہے!

شہادت کا واقعہ تذکروں میں یوں درج ہے کہ تاتاریوں کے عین ہنگامہ میں ایک سپاہی نے شیخ کو گرفتار کیا، ایک راہگیر نے بڑھ کر کہا کہ "دیکھنا، اس پیرمرد کو قتل نہ کر دینا، دس ہزار اشرفیاں نقد دیتا ہوں کہ ان کو چھوڑ دو"، شیخ نے کہا "خبردار، اتنے پر مجھے فروخت نہ کر دینا، میں اس سے کہیں زیادہ قیمت رکھتا ہوں"، سپاہی خوش ہوا کہ دولت اس سے بھی بڑھ کر ہاتھ آئے گی، آگے بڑھے ایک اور شخص ملا، اس نے کہا کہ میاں سپاہی اس بوڑھے کو مجھے دے ڈالو، میں ایک گٹھا گھاس کا اس کے معاوضہ میں دیتا ہوں، شیخ بولے، "ہاں دے ڈال، کہ میری قیمت اس سے بھی کم ہے" سپاہی کے تن بدن میں آگ لگ گئی، کہ دس ہزار اشرفیاں ملتی ہوئی ہاتھ سے گئیں، جھلا کر وہیں معاً سر تن سے جدا کر ڈالا! واللہ اعلم،

۲۔ تصنیف

ابتک جن کتابوں سے تعارف ہوا، سب نثر کی تھیں لیکن قدما ہی کے دورِ آخر میں معارف روحانی وحقائق عرفانی کو نظم میں ادا کرنے کی بنیاد پڑ چکی تھی، متوسطین نے اسے معراج کمال پر پہونچایا، سنائی، مغربی، عراقی، نظامی، ابوسعید ابوالخیر، خسرو، جامی، یہ سب اس بحر کے شناور ہیں، اور مولانا رومیؒ نے تو گویا زبان شعر کو الہامی بنادیا، عطار بھی اسی جماعت کے ایک ممتاز و مقتدر رکن ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ یہ رند سرمست جب میکدۂ شعر میں قدم رکھتا ہے تو جبہ و دستار کا احترام کس حد تک ملحوظ رکھتا ہے،

تذکرۃ الاولیاء کے بعد شیخؒ کی مقبول ترین تصنیف یہی منطق الطیر ہے، اسکی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ مولانائے رومؒ کی شہرۂ آفاق مثنوی معنوی کا نقش اول یہی مثنوی ثابت ہوئی، یعنی تذکروں میں یہ روایت صراحت کے ساتھ درج ہے کہ مولانا کے التفات خاص کے مورد جب حسام الدین چلپی ہوئے تو ایک روز انھوں نے عرض کی کہ حضرت غزلیات کا مجموعہ بہت ہو چکا، اب کچھ توجہ مثنوی پر ہو، اور شیخ عطار کی منطق الطیر کی طرز پر کوئی مسلسل نظم ارشاد فرمائی جائے، ادھر فرمائش کی تعمیل فرمائش سے قبل ہی شروع ہو چکی تھی،

مثنوی معنوی اور منطق الطیر کا وزن ایک ہے، موضوع ایک ہے، اور انسانوں سے اخلاق و معرفت کے درس حاصل کرنے کا اسلوب ایک ہے، مولانا نے عطار کا حق تقدم اپنی مثنوی میں جابجا تسلیم کیا ہے، اور جابجا ان کے اشعار کو اپنے کلام میں ضم کرتے گئے ہیں،

مضامین کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ حمد و نعت و منقبت خلفاے اربعہ کے بعد اصل قصہ کا آغاز ہے، افسانہ کے اشخاص (یا آج کی زبان میں کردار) بجاے انسانوں کے چند پرندے فرض کئے ہیں، ہُدہُد، طوطی، مرغ، فاختہ، قمری، بلبل، باز وغیرہا، ایک روز یہ سب پرندے یکجا ہوتے ہیں، اور اپنا بادشاہ منتخب کرنا چاہتے ہیں ہدہد، سیمرغ کا نام پیش کرتا ہے، اس پر دوسرے پرندے معترض ہوتے ہیں، ہدہد ایک ایک کا اعتراض سنتا اور الگ الگ سب کو جواب دیتا ہے، آخر اس پیامبر حق و عرفاں (ہدہد) کی تبلیغ و تفہیم سے تمام طیور شاہِ شاہان سیمرغ کے حلقۂ اطاعت و انقیاد میں آجاتے ہیں ——— سوالات وہی ہیں جو عموماً ہر طالب و سالک کے دل میں پیدا ہوتے ہیں، اور ان کے جوابات، جادۂ سلوک و طریقت کے مختلف مقامات ہیں،

لفظ منطق الطیر قرآن مجید ہی کی ایک آیت سے ماخوذ ہے، وَوَرِثَ سُلَیمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰاَیُّھَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ (نمل ع ۲) ہدہد طیور سلیمان میں فہم و دانش میں سب سے ممتاز تھا، اس لئے شیخ نے طریقت کے حقائق و معارف اسی کی زبان سے ادا کرائے ہیں،

حمد بہت مفصل لکھی ہے، سب سے زیادہ زور بندہ کی بیچارگی، بے علمی درماندگی پر ہے

لب بدوز از عرش و ز کرسی مپرس — گرچہ یک ذرہ نہٖی پرسی مپرس
عقل تو چوں در سر موے بہ سوخت — ہر دو لب باید ز پرسیدن بدوخت
کس نداند کنہ یک ذرہ تمام — چند گویم کس نداند والسلام (ص)

اسماے مبارک حکیم و لطیف کی تجلیات حیرت انگیز ہیں، عقل بشری حوادث

فطرت کو دیکھ دنگ رہ رہ جاتی ہے، انبیائے کرام تک کو عجیب و غریب حالات میں رکھا گیا ہے ؎

سوئے کنہ خویش کس را راہ نیست　　ذرۂ از ذرۂ آگاہ نیست
درنگر اول کہ با آدمؑ چہ رفت　　عمرہا با او دریں عالم چہ رفت
باز بنگر نوحؑ در غرقاب کار　　تا چہ بُرد از کافراں سال ہزار

یعقوبؑ کی سرگردانی و گریہ و زاری، یوسفؑ کی غلامی و اسیری، ایوبؑ کی ستم کشی و برداشت مصائب، یہ چند نمونے ہیں باقی تقریباً تمام انبیاء کی زندگی طلسم ساز فطرت کی انہی کرشمہ زائیوں کا ایک مسلسل مظہر ہے، اور تو اور خود سرور انبیاءؐ تک کی حیات طیبہ اسی قسم کے خوارق فطرت سے لبریز ہے ؎

عنکبوتے را بہ حکمت دام داد　　صدر عالم را درو آرام داد (ص۳)

معرفت باری کی صورت صرف یہ ہے کہ انسان اپنی خودی کو اس ہستی مطلق میں گم کر دے ؎

تو مباش اصلاً کمال این ست و بس　　تو درو گم شو وصال این ست و بس
تو درو گم شو حلولے این بود　　ہر چہ آں نبود فضولے آں بود (ص۱)

اُس تک رسائی کا راستہ صرف یہ ہے کہ اپنی بے بسی، عجز کا اعتراف کیا جائے بجائے خدا سے ڈرنے کے خود اپنے سے ڈرا جائے، اور بارگاہ ارحم الراحمین میں بہ تضرع و الحاح مناجات کی جائے، کہ وہ اپنے درد و محبت کا ایک ذرہ ہی عنایت کر دے ؎

خلق ترسد از تو من ترسم ز خود　　کز تو نیکی دیدہ ام وز خویش بد

لوگ تو تجھ سے ڈرتے ہیں لیکن میں اپنے ہی سے ڈرتا ہوں، اسلئے کہ تجھ سے تجربہ تو بھلائی کا ہوا ہے اور اپنے سے تجربہ برائی کا

.. ..

اے فضیلت ناشدہ نامید کس　　　　حلقۂ داغ توام جاوید و بس

تیرے فضل و رحمت سے آجتک کوئی مایوس نہیں ہوا ہے تیری ہی غلامی کا داغ میرے لئے ہمیشہ کو کافی ہے

ہر کرا خوش نیست دل بر درد تو　　　　خوش مبادا نہ آنکہ بنود مرد تو

جو دل تیرے درد سے لطف لینے والا نہیں، وہ نالائق کسی خوشی کے قابل ہی نہیں،

ذرۂ دردم دہ اے درمان من　　　　زانکہ بے دردت بمیرد جان من

اے میرے طبیب اپنے درد محبت کا ایک ذرہ عنایت کیجئے، کہ تیرے درد محبت کا نہ ہونا تو میری جان کی موت ہے

کفر کافر را و دیں دیندار را　　　　ذرۂ دردت دل عطار را (ص ۱۴)

کافر کو کفر مبارک رہے اور دیندار کو دین اور عطار کو تیرے درد کا ایک شمہ!

نعت گوئی شیخ عطار کا خاص جوہر ہے، کہنا چاہئے کہ اس صنف سخن کے مالک ہیں،

خلوص و نیاز کا رنگ لفظ لفظ سے پھوٹا پڑتا ہے ؎

خواجۂ دنیا و دیں گنج وفا　　　　صدر و بدر ہر دو عالم مصطفٰے

آفتاب شرع و دریائے یقیں　　　　نور عالم رحمۃ للعالمیں

خواجۂ کونین سلطانِ ہمہ　　　　آفتاب جان و ایمانِ ہمہ

پیشوائے ایں جہان و آں جہاں　　　　مقتدائے آشکارا و در نہاں

خواجۂ کز ہرچہ گویم بیش بود　　　　وز ہمہ چیز از ہمہ در پیش بود

آفرینش را جز او مقصود نیست　　　　پاک دامن تر از و موجود نیست

عقل را در خلوت او راہ نیست　　　　علم نیز از وقت او آگاہ نیست

رفت موسیٰ بر بساطِ آنجناب　　　　خلع نعلیں آمدش از حق عتاب

باز در معراج شمع ذو الجلال | می شنید آوازِ نعلینِ بلال
موسیٰ عمراں چوں آں دولت بدید | جاکرا او را چنیں قدرت بدید
گفت یارب امتِ او کن مرا | در طفیلِ ہمت او کن مرا (بلبل)

حضرات انبیاؑ کے درمیان تفاضل امتی کو زیب نہیں دیتا، بلکہ ایک حد کے آگے تو قطعاً ناجائز ہے۔ لیکن اگر زیادہ سے زیادہ ان حدود تک رہے تو چنداں مضائقہ نہیں

آگے مناقب خلفاء اربعہ کا بیان ہے۔ بعض حلقوں میں عطارؒ کو امامیہ مشہور کرنے کی جو عجیب کوششیں ہوئی تھیں، اور اس کی تائید میں جو لغو اشعار ان کی جانب منسوب کیے گئے ہیں، ذرا اس کو پیشِ نظر رکھ کر ذیل کی مدحِ صحابہ سننے کے قابل ہے۔ ابتدا "افضل البشر بعد از انبیاء" سے ہوتی ہے ؎

خواجۂ اول کہ اول یارِ اوست | ثانی اثنین اذ ہما فی الغار اوست
صدرِ دیں صدیق اعظم قطبِ حق | در ہمہ چیز از ہمہ بردہ سبق
ہر چہ حق از بارگاہِ کبریا | ریخت در صدرِ شریفِ مصطفیٰ
آں ہمہ در سینۂ صدیق ریخت | لاجرم تا بود ازو تحقیق ریخت

فاروق اعظمؓ کی جلالتِ قدر کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے،

خواجۂ شرع آفتابِ شرع دیں | ظلِ حق فاروق اعظم شمع دیں
ختم کردہ عدل و انصافش بحق | تا فراست بردہ بر جنس سبق
آنکہ دارد بر صراط اول گذر | ہست او از قولِ پیغمبر عمرؓ (بلبل)

ذو النورین کی فضیلت مراتب پر روشنی ڈالنے کے لیے اشعار ذیل کافی ہیں

خواجۂ سنت کہ نورِ مطلق است | بل خداوند دو نور برحق است

آنکہ غرق قدس فرقاں آمدست | صدر دیں عثمانؓ عفاں آمدست
رو نقِ کاں عرصۂ کونین یافت | از ولِ پر نور ذوالنورین یافت
یوسفِ ثانی بہ قولِ مصطفےٰ | بحرِ تقویٰ و حیا کانِ وفا

اہل سنت کا عقیدہ صحیح ناقص و نا تمام رہجائیگا اگر حضرت علی مرتضیٰؓ کے حضور میں عقیدت کا گلدستہ نہ پیش کیا گیا ہ

خواجۂ حق پیشوائے راستیں | کوہ حلم و بحر علم و قطب دیں
ساقیٔ کوثر امام رہنمائے | ابنِ عمِّ مصطفےٰ شیر خدائے
مرتضیٰ و مجتبیٰ زوج بتول | خواجۂ معصوم داماد رسول
مقتدائے دین بہ استحقاق اوست | مفتیٔ مطلق علی الاطلاق اوست

اس کے بعد شرح و بسط کے ساتھ کئی ورق اس موضوع کی نذر کئے ہیں، کہ جو لوگ خلفائے ثلثہ سے تعصب رکھتے ہیں، وہ خود علی مرتضیٰؓ کی تعلیم وہدایت کے مخالف بلکہ دشمن ہیں اور اس قول کی تائید میں آپ کی سیرت مبارک سے کئی واقعات نقل کئے ہیں۔

ہدہد یا پیغمبر حق تمام طیور جمع ہونے پر انھیں دعوت دیتا ہے کہ سب اپنے کو سلطان مطلق کی حکومت و انقیاد میں دے آئیں اور یہ مرتبۂ سلطانی حق سیمرغ کا ہے، ساتھ ہی وہ اس سیمرغ کے اوصاف بھی بیان کرتا ہے ان صفات پر نظر کرنے سے سمجھ میں خود آجائیگا کہ سیمرغ سے کنایہ کس ذات عالی کا ہے اور افسانہ کے پردہ میں کن حقائق و معارف کی تلقین ہو رہی ہے۔

نام او سیمرغ سلطانِ طیور | او بہ ما نزدیک ما زو دور دور
صد ہزاراں پردہ دارد بیشتر | ہم ز نور و ہم ز ظلمت بیشتر
اور دو عالم نیست کس را زہرہ | کو تواند یافت از وے بہرہ

دائما او بادشاہ مطلق ست — در کمال عز خود مستغرق ست
نے برو رہ نے شکیبائی ازو ست — صد ہزاران خلق سودائی ازو ست
ہیچ دانائے کمالِ او ندید — ہیچ بینائے جمال او ندید (عطار)

یعنی وہ ہم سب کا بادشاہ ہم سب سے متصل ہے، ہم ہی البتہ اس سے بیگانہ ہیں، وہ لاکھوں پردوں میں ہے، اور اس کا وجود نور و ظلمت دونوں سے قبل سے ہے، کائنات میں کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس سے ہمسری کا دعوی کر سکے، وہ سب کا ازلی و ابدی بادشاہ مطلق ہر وقت اپنے شان کمال میں غرق ہے، ہزارہا مخلوق اس غم میں پریشان ہے، کہ نہ اس تک رسائی کی راہ ملتی ہے، اور نہ اسکی طرف سے صبر کرکے بیٹھ جانا ممکن ہے، نہ کوئی عقل اس کے کمال کو آج تک پہونچ سکی ہے، نہ کوئی آنکھ اس کے جمال سے مشرف ہو سکا ہے،

باقی ساری کتاب اسی حقیقت الحقائق، اسی ذات علی الاطلاق، اسی ہستی وراء الورا کی توصیف اور اس تک رسائی کی تدبیر اور منازل سفر کی تفصیل کی نذر ہے

چند نمایاں مطالب بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں یہی انداز ساری کتاب کا ہے،

راہ طلب و سلوک میں سب سے بڑا رہزن نفس کا شوق جاہ و ترفع ہے انسان بڑی بڑی ریاضتیں گوارا کر لیتا ہے، سخت سے سخت مجاہدے جھیل لے جاتا ہے، کہ خلق میں اس کے زہد و عبادت کی شہرت ہو جائے، حالانکہ یہی حب جاہ اس سفر میں سخت ترین سنگ گراں ہے، شیخ شبلی ایک مرتبہ لوگوں کی نظر سے غائب ہوگئے، بڑی تلاش کے بعد مخنثوں (زنانوں) کے ایک گروہ کے درمیان بیٹھے ہوئے ملے آنکھیں تر اور ہونٹ خشک، کسی نے حیرت کے ساتھ سوال کیا، آپ نے جواب دیا

کہ جیسے یہ لوگ نہ عورت ہیں نہ مرد، میں بھی راہ دین میں نہ مرد ہوں نہ عورت، بد اعمالیوں کی کثرت سے میری زندگی خود میرے لئے باعث شرم ہے، ——— عارف کو چاہئے کہ اسی طرح اپنے کو ذلیل و خوار رکھے ؎

ہمچو مردان ذل خود کن اختیار — کردہ بہ استادگاں عزت نثار
گر تو پیش آئی ز موئے در نظر — خویشتن را از سبتے سازی بتر
مدح و ذمت گر تفاوت میکند — بتگرے باشد کہ او بت می کند
گر تو حق را بندۂ، بتگر مباش — در تو مرد ایزدی، آذر مباش
نیست ممکن درمیان خاص عام — از مقام بندگی برتر مقام
چون ترا صدیت بود در زیر دلق — چون نمائی خویش را صوفی بہ خلق
اے مخنث جامۂ مرداں مدار — خویش را زیں پیش سرگرداں مدار

ایک مرتبہ قاضی شہر کے پاس دو صاحب اپنے مقدمہ کا فیصلہ کرانے آئے، دونوں لباس اور ظاہر سے صوفی بنے ہوئے قاضی انھیں تنہائی میں لے گئے اور بڑی غیرت دلائی کہ جسم پر لباس تو یہ ترک و تسلیم کا، اور دل بدستور من و تو کے جھگڑوں میں اٹکا ہوا، اگر دل ترک پر آمادہ نہیں، تو یہ لباس ہی پہننا کیا ضرور تھا باطن کا دعویٰ نہیں رکھتا، محض مقدمات چکاتا ہوں، لیکن میں اس لباس سے شرمایا جاتا ہوں" ——— یہ درویشی تو تمام تر ترک و تبتل کا سودا ہے

در خصومت آمدند و در جفا — دو مرقع پوش در دار القضا
قاضی ایشاں را بکنجے برد باز — گفت صوفی خویش نباشد جنگ ساز
جامۂ تسلیم در بر کردہ اید — ایں خصومت از چہ در سر کردہ اید

گر شما ہستید اہلِ جنگ و کیں — ایں لباس از تن بیندازید ہیں

ور شما ایں جامہ را اہل آمدید — در خصومت از سرِ جہل آمدید

منکہ قاضی ام نہ مردِ معنوی — زیں مرقع شرم میدارم قوی

گر بہ دعویٰ عزم ایں میداں کنی — سر دہی بر باد و ترکِ جاں کنی

نفس کی تفاوت کی کوئی حد نہیں، انسان کی نظر سے درد انگیز و عبرتناک واقعات کیسے کیسے ہر روز گزرتے رہتے ہیں، پھر بھی اسے عبرت حاصل ہوتی ہے نہ نصیحت، کسی نے ایک مسن گورکن سے سوال کیا، کہ "تمھاری تو عمر قبروں کے کھودنے میں گزری یہ بتاؤ کیا کیا عجائبات نظر سے گذرے" جواب ملا کہ سب سے بڑا اعجوبہ یہ ہے کہ ستر سال گورکنی کرتے ہوئے اور اپنا نفس ایک لمحہ کے لئے بھی مردہ نہ ہوا، ؎

یافت مردے گورکن عمرے دراز — سائلش گفتہ کہ چیزے گوے باز

چہ عمرے گور کندی در مغاک — چہ عجائب دیدۂ در زیرِ خاک

گفت ایں دیدم عجائب حسبِ حال — کیں سگِ نفسم ہمیں ہفتاد سال

گور کردن دید و یک ساعت نمرد — یک زماں فرمانِ یک طاعت نبرد

سب سے زیادہ زور دینے کے قابل علائق دنیوی کا ترک ہے، حبِ دنیا حیاتِ ایمانی کے حق میں زہر ہے، ؎

حبِ دنیا ذوقِ ایمانت ببرد — آرزویش بر تو جانت سرد

چیست دنیا آشنائے حرص و آز — ماندہ از فرعون و نمرود باز

کارِ دنیا چیست؟ بیکاری ہمہ — چیست بیکاری؟ گرفتاری ہمہ

؎ سجادگی اور نذر و نیاز کے دعویدار، مقدمہ باز قسم کے "مشایخ" نے یہ حکایت سن لی ہے

ہست دنیا آتش افروختہ | ہر زماں خلقے دگر را سوختہ (نظم)

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھری زمین پر استراحت فرما رہے تھے اور سر کے نیچے ایک چھوٹی سی اینٹ تکیہ کے طور پر رکھ لی تھی آنکھ کھلی تو کیا دیکھتے ہیں، کہ ابلیس پاس ہی کھڑا ہے، فرمایا "ملعون، تیرا یہاں کیا کام ہے؟" اس نے جواب دیا "یہ اینٹ میری ملک ہے، ساری دنیا ہی میری ملک ہے اور یہ اینٹ بھی اسی کا ایک جزو ہے، آپ اس کو اپنے کام میں لائے، تو آپ نے خود ہی مجھ سے توسل پیدا کیا حضرت نے یہ سنتے ہی اینٹ پھینک دی اور دوبارہ استراحت کو لیٹے، ابلیس بولا "اب بیشک آرام کیجئے، اب میرا یہاں ٹھہرنے کا کوئی کام نہیں رہا۔ (ف)

ایک صاحب نے بعد نماز دعا کی کہ "کارساز عالم! میرے حال پر رحم کر" ایک دل جلا جل کر بولا "تم اور طلب رحمت! ہمہ وقت تو اپنی خود پرستیوں میں مست ہو، مکان ہے تو عالی شان، در و دیوار ہیں تو زرنگار، کام کاج کے لئے غلاموں کی کھیپ کے کھیپ کے محتاج، کنیزوں کی ضرورت اس پر مستزاد خود پرستی میں یہ انہماک و اہتمام، اور اس پر نزول رحمت کی توقع و طلب؟ واقعی اگر رحمت باری کی تمنا ہے، تو پہلے اپنے کو غیر سے تو فارغ البال کرو۔

وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا ۔

تو زناز خود نہ گنجی در جہاں | می خرامی از تکبر ہر زماں

منظرے سر بر فلک افراشتہ | چار دیوارش بزر بنگاشتہ

دہ غلام و دہ کنیزک کردہ راست | رحمت آنجا کے بود بر گو دا را

تیک بنگر تا تو با ایں جملہ کار | جانے رحمت داری آخر شرم دار

روے اکنوں می بہ گرداں از ہمہ　　　تا شوی فارغ چو مرداں از ہمہ (مثنوی)

مومن کو رحمت الٰہی کی طرف سے مایوس کبھی نہ ہو جانا چاہئیے، گناہ کیسے ہی اور کتنے بھی ہوں، بہر حال رحمٰن و رحیم کی رحمت ان سے وسیع تر ہے، یاس تو صرف کافروں کا حصہ ہے، مومن کو چاہئیے کہ ہر حال میں اس کی رحمت پر بھروسہ رکھے اور اپنی طرف سے توبہ میں مشغول رہے،

اس مفہوم کو مختلف پیرایوں میں بار بار ادا کیا ہے، مثلاً کہیں یوں ؎

تو یقیں می داں کہ صد عالم گناہ　　　از تف یک توبہ برخیزد ز راہ
بحر احساں چوں در آید موج زن　　　محو گرداند گناہ مرد و زن

اور کہیں یوں ؎

گر نہ بودے مرد را توبہ قبول　　　کے بدے ہرگز برائے او نزول
گر گنہ کردی در توبہ ست باز　　　توبکن کیں در نہ خواہد شد فراز
گر بہ صدق آئی دریں رہ یکدمے　　　صد فتوحت پیش آید ہر دمے (منطق)

اصل شے اخلاص و صدق نیت ہے، حد یہ ہے کہ اگر شرک بھی اخلاص کے ساتھ ہے تو عالم الغیب والشہادۃ کی بارگاہ سے بالآخر ہدایت نصیب ہو کر رہے گی، شیخ حکایت لکھتے ہیں کہ ایک شب حضرت جبرئیل اپنے مقام قرب میں تھے کہ حضرت قدس سے صدا لبیک کی سنائی دی سمجھے کہ کوئی خاص مقبول بندہ اس وقت ذکر و عبادت میں مصروف ہے، اور اس کی پذیرائی ہو رہی ہے، جی میں آئی کہ اس کا پتہ لگائیے، دم بھر میں ہفت افلاک کا چکر لگا ڈالا، اس کا پتہ نہ چلا، کرۂ زمین کا رخ کیا، اس کا کونہ کونہ چھان ڈالا، پتہ پھر بھی نہ چلا اپنے

مقام پر واپس آئے، دیکھا کہ حضرت قدس سے صدائے لبیک برابر چلی آرہی ہے، تلاش از سر نو شروع کی، اور اب کی بھی ناکام رہے، عاجز آکر بارگاہ اعلیٰ میں عرض کی، حکم ہوا، ملک روم میں جاکر دیکھو، آکر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بت کے آگے ہیں کی عبادت ہو رہی ہے، دنگ و حیران ہو کر عرض کی، حکم ہوا عالم، یہ آخر کیا راز ہے کہ صریح بت پرستی پر یہ رحمت؟ جواب سنئے ؎

حق تعالیٰ گفت ہست او دل سیاہ
زان نمی داند غلط کردست راہ
از نیازش خوش ہمی آید مرا
زیں نشان دادن ہمی باید مرا
گر ز عجلت رہ غلط کرد آں سقط
منکہ می دانم نہ کردم رہ غلط
ہم کنوں راہش ہم تا بینش گاہ
لطف وخواہد شد او را عذر خواہ

وہ نادانی سے غلط راہ پر پڑ لیا ہے
تو کیا ہوا ہم تو اس کے خلوص قلب کو دیکھتے ہیں
وہ اس وقت گمراہ ہے تو ہوا کرے ہم
ابھی اس کے خلوص نیت کا انعام یہ دیتے ہیں
کہ وہ راہ راست پر آیا جاتا ہے، (عـ۹۷)

چنانچہ ؎

ایں بگفت و راہ جانش برکشاد
در خدا گفتن زبانش برکشاد

معاً اس کا قلب روشن کر دیا گیا، کشود کار کے مراتب آناً فاناً طے کرا دیئے گئے اور مشرک و بت پرست بات کہتے کہتے موحد و خدا پرست ہو گیا،

شیخ کے نظام عمل میں سب سے بلند و مقدم مرتبہ، احکام الٰہی کے اتباع کا ہے

ایک مرغ (زبانِ تمثیل میں روح) کی زبان سے سوال ہوتا ہے کہ

دیگرے پرسید از وکہ رہنما سے — تعمیل ارشاد اور فرماں برداری کے
چوں بود گر مرا می آدم بجاے — باب میں کیا ارشاد ہے؟
من نہ دارم با قبول و رد کار — مجھے اختیار و انکار سے سروکار نہیں
می کنم فرمان او در انتظار — میں تو محض اتباعِ امر کرنا چاہتا ہوں

ہُدہُد (پیغمبرِ حق) کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ

گفت نیکو کردی اے مرغک سوال — "اس سے بلند تر کوئی بھی مرتبہ نہیں یہ
مرد را زیں بیشتر نبود کمال — مرتبہ اور سارے مرتبوں سے اعلیٰ و افضل ہے،
کے بری جاں گر تو آنجا جاں بری — تعمیلِ امر میں ایک ساعت کی بھی طاعت ساری
جاں بری گر تو بہ جاں فرمانبری — عمر کی طاعت گذاریوں اور مجاہدوں
ہر کہ فرماں برد از خذلاں برست — سے بہتر ہے جو اپنی مرضی اور رائے
از ہمہ دشوارہا آساں برست — سے کئے جائیں،
طاعتے با امر گر یک ساعت است — (ص ۱۳۹)
بہتر از بے امر عمر طاعت است

انسان بندہ ہے، اس کا کمال یہی ہے کہ بندگی میں کمال پیدا کر دکھائے

بندگی ایں باشد و دیگر ہوس — بندگی افگندگی اے ہیچ کس
تو خدائی می کنی نے بندگی — کے شود ممکن ترا افگندگی

مقبولیت اور برگزیدگی کا دعویٰ آسان ہے، لیکن اس دعویٰ پر دلیل بھی کمالِ عبودیت و افگندگی ہے ٥

بندہ آں نبود کہ از روئے گزاف | می زند در بندگی پیوستہ لاف
بندۂ وقت امتحاں آید پدید | امتحاں کن تا نشاں آید پدید

کتاب اوّل سے آخر تک تمام ہوگئی، کہیں ذکر تا لوی بلکہ ضمنی حیثیت سے بھی دھوم دھام والے عرسوں کا اور قوالیوں کا، مزار کی چادروں کا، اور قبہ اور گنبد کا، اور بیسیوں دوسرے گڑھے ہوئے رسوم صوفیہ کا آیا؟

باب[1] (۸)

لوائح

(ملا نور الدین عبد الرحمٰن جامیؒ)

(۱) مصنف

ملا جامیؒ کا زمانۂ وفات نویں صدی ہجری کے اختتام کا ہے، اس لئے انھیں دور متوسطین کی آخری یادگار کہہ سکتے ہیں، یہ وہ زمانہ ہے کہ تصوف ایک مستقل نظام کی حیثیت اختیار کر چکا تھا، اور اسلام کی سادہ تعلیم میں فلسفہ اور غیر مذاہب کی آمیزش اچھی طرح ہو چکی تھی،

اسم گرامی قول مشہور کے مطابق نور الدین عبد الرحمٰن تھا، سفینۃ الاولیار کی روایت ہے کہ اصل نام عماد الدین تھا، مشہور نام نور الدین ہو گیا، والد کا نام ایک روایت میں احمد بن محمد دشتیؔ آیا ہے، دوسری میں نظام الدین احمد دشتی، دشت اصفہان کے ایک محلہ کا نام ہے،

---

[1] ماخذ:- (۱) نفحات الانس (جامی) (۲) سفینۃ الاولیار (داراشکوہ) (۳) مفتاح التواریخ (مسٹر بیل)

ولادت قصبۂ جام میں ہوئی کچھ اس مناسبت سے، اور کچھ اس لحاظ سے بھی کہ شیخ الاسلام احمد جام کی عقیدت کا جام نوش فرمایا تھا، اپنا تخلص جامی قرار دیا، خود فرماتے ہیں :-

مولدم جام و رشحۂ قلم ۔۔۔ جرعۂ جام شیخ اسلامی ست

لاجرم در جریدۂ اشعار ۔۔۔ بدو معنی تخلصم جامی ست

تخلص اس قدر مقبول ہوا کہ لوگ نام بھول گئے، عام زبانوں پر صرف جامی یا ملا جامی رہ گیا،

تاریخ ولادت بالاتفاق ۲۳ شعبان ۸۱۷ھ (۷ نومبر ۱۴۱۴ء) ہے، اور تاریخ وفات بہ روایت قوی ۱۸ محرم ۸۹۸ھ (۹ نومبر ۱۴۹۲ء) ہے، ایک ضعیف روایت ۱۵۰۱ء سے متعلق بھی ہے، وفات شہر ہرات میں ہوئی،

بیعت سلسلۂ نقشبندیہ میں مولانا سعد الدین کاشغری سے تھی، بچپن میں پانچ سال کے بھی سن سے پہلے، خواجہ محمد پارسا نقشبندی کی زیارت سے مشرف ہوئے، طریق روحانیت کی تخم ریزی قلب میں اسی وقت سے ہو گئی، ۶۵ سال کی عمر میں جب نفحات الانس کی تالیف میں مشغول ہوئے ہیں، اس واقعہ کا تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں، کہ قلم سے گویا سیاہی کے بجائے عقیدت کے قطرے ٹپک رہے ہیں، ۸۳۲ھ تھا کہ آخر جمادی الاول یا آغاز جمادی الآخر میں خواجہ موصوف جام سے گذر رہے تھے، خلقت گروہ در گروہ نذر و اخلاص و عقیدت پیش کرنے حاضر ہو رہی تھی، ملا جامی کے والد ماجد نے اس خورد سال بچہ کو خواجہ کی پالکی میں لا کر بٹھا دیا، خواجہ نے التفات خاص فرمایا، اور ایک سیر مصری عنایت کی،

اس سرگذشت کو قلمبند کرنے کے بعد لکھتے ہیں :۔

" امروز آں شصت سال است کہ ہنوز صفائی طلعت منور ایشاں در دل من و ہمانا کہ رابطۂ اخلاص و اعتقاد و ارادت و محبتے کہ ایں فقیر را نسبت بہ خاندان خواجگان قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم واقع ست بہ برکت ایشاں بودہ باشد و امیدی دارم کہ بہ یمن ہمیں رابطہ در زمرۂ محبان و مخلصان ایشاں محشور گردم " (نفحات، ص ۴۴۹-۴۵۰)

مگر سب سے زیادہ ارتباط و اختصاص شاید خواجہ عبید اللہ احرار کے ساتھ تھا اُن کا تذکرہ نفحات اور اپنی دوسری کتابوں میں کمال عقیدت و تفصیل کے ساتھ کیا ہے علوم ظاہری کی تعلیم ہرات میں پائی، استادوں میں نام ملا جنید، خواجہ علی سمرقندی و قاضی روم سمرقندی کے ملتے ہیں، طالب علمی کے زمانہ میں بڑے ذہین اور بڑے قوی الحافظہ تھے، ذکاوت، جودت ذہن، قوت حافظہ، ان سب کے عجیب و غریب واقعات تذکروں میں ملتے ہیں، شوخ و ظریف بھی تھے، اس کا ثبوت آج تک بہارستان کے صفحات دے رہے ہیں،

" حضرت مولانا را فہم و طبعے کہ بود بالاتر از آں من باشد و بسیار خوش خلق و خوش تکلم و شگفتہ بودند و مطایبہائے لطیف می فرمودند "

(سفینۃ الاولیاء)

تصانیف کی تعداد لفظ جام کے ہم عدد، ۴۴ ہے، مشہور یہ ہیں :۔

یوسف و زلیخا، تحفۃ الاحرار، سبحۃ الابرار، نفحات الانس، شواہد النبوۃ لوائح، بہارستان، شرح کافیہ اور کلیات،

مرید سلسلۂ نقشبندیہ میں تھے لیکن طبیعت پر ذوق و وجد چشتیہ کا غالب تھا، "ہمیشہ در ذوق و وجد می بودہ اند" (سفینہ) اور شاید اسی لئے سماع سے بھی محترز تھے،

مثنوی، غزل، قصیدہ وغیرہ نظم کی ہر صنف پر قادر تھے، اور مدح، تشبیب، معرفت، توحید، وغیرہ ہر مضمون کے مالک تھے، سب سے بڑھا چڑھا رنگ نعت کا تھا اس جوش و خروش کی نعتیں فارسی میں کمتر کسی اور کی ملیں گی،

مرتبۂ کمال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خود ان کے مرشد فرمایا کرتے تھے کہ "شہباز ہمارے جنگل میں آ پھنسا ہے" (سفینہ) خواجہ عبید اللہ احرار اتنی تعظیم برتتے کہ اپنے خطوط کو لفظ "عرضداشت" سے تعبیر کرتے اور اکثر فرماتے تھے کہ "خراسان میں تو آفتاب موجود ہے، لوگ اُسے چھوڑ کر ماوراء النہر کے چراغ (یعنی میرے پاس) کیوں آتے ہیں" گویا ملا جامی کو آفتاب ٹھہراتے اور اپنے کو چراغ

احوال و کرامات کے اخفا میں خاص اہتمام تھا، جہانتک بس چلتا کسی پر اپنے مرتبۂ کمال کو نہ ظاہر ہونے دیتے، با اینہمہ مرجع خلائق تھے،

"مقبول عالم و مقتدائے ماوراء النہر و خراسان و پیشوائے زمان بودہ اند و سلطان حسن بایقرا با کمال عقیدت و نیازمندی بخدمت ایشاں بود" (سفینہ)

سلطان اور امراء کی عقیدتمندیوں کے مرکز تھے،

"در عہد سلطان ابوسعید بہ خدا شناسی و خدا پرستی شہرت یافتہ مقبول خاص و عام گشت، و در عہد سلطان حسن بایقرا بیشتر از بیشتر

قبول یافت وامیر علی شیر غاشیۂ انقیاد او بر دوش جاں می داشت "
(مفتاح التواریخ)

خانۂ کعبہ کی زیارت کو گئے، تو آمد و رفت دونوں موقعوں پر قبول عام نے قدم قدم پر استقبال کیا، ایک مرتبہ دمشق میں مقیم تھے کہ سلطان روم کا قاصد پانچہزار اشرفیوں کی نذر لئے ہوئے، اس درخواست کے ساتھ پہونچا کہ قسطنطنیہ بھی شرف قدوم سے مشرف ہو جائے، مولانا قاصد سلطانی کی آمد کی خبر پاکر قاصد کے ورود سے قبل ہی تبریز چل کھڑے ہوئے تھے، یہاں حاکم کردستان حسن بیگ کی نیازمندیاں زنجیر پا ہونے لگیں، بہ مشکل تمام اجازت لے کر خراسان پہنچے یہاں پہونچے تو یہاں بھی نذرانوں کے انبار نے خیر مقدم کیا،

(۲) تصنیف

لائحہ" کے لفظی معنی شعاع درخشاں کے ہیں، مجازی معنی تختۂ عمل یا روزنامچہ کے ہیں، لوائح اس کی جمع ہے، لوائح جامی چند لائحوں کا مجموعہ ہے، کل تعداد نسخہ نولکشوری کے مطابق ۳۴ ہے، اور نسخہ لندنی کے مطابق اس سے کم قدمائے فن کی تصانیف کی طرح سلوک کے علم و عمل پر یہ کوئی جامع و مبسوط رسالہ نہیں، بلکہ صرف فلسفۂ تصوف سے متعلق چند لطائف و اشارات کا مجموعہ ہے، زمانۂ تالیف وہ ہے، کہ یونانی مشرکوں کے فلسفہ کو مسلمانوں میں رائج ہوئے کئی سو سال ہو چکے ہیں، اور اشراقیت و مشائیت، تناسخ و حلول، عقل کل اور ہیولیٰ اور اسی طرح کے خاک بلا، کیسے کیسے عقائد و اوہام، یونانی

مصری، ہندی، ایرانی فلسفۂ نجوم اور جوگ کے اثر سے اسلامی مدرسوں اور خانقاہوں میں داخل ہو چکے ہیں، اور خود مسلمانوں کے اندر شیخ الاشراق، اور طوسی اور فارابی اور ابن سینا اور ابن رشد جیسے "معقولی" بڑی تعداد میں پیدا ہو چکے ہیں، اور اُن کے خرافات توحید کے خاندان میں گھر گھر پھیل چکے ہیں،

اسلامی تصوف اب قرآن وسنت پر عمل کا نام نہ تھا، جنید و ذوالنون کا تصوف صحابۂ کرام کی تقلید تھی، ان کے عقائد و اعمال ابوبکرؓ و علیؓ کے عقائد و اعمال تھے، اب دور وہ تھا کہ ہر چیز "عقلی" بن چکی تھی، شیخ ابن عربی اور ان کے شاگردوں کے طفیل میں سلوک بھی اب ایک "فلسفہ" تھا، اور اس کے خاص خاص نظریات تھے، اور بڑے بڑوں کی خانقاہیں اور تکیے اب ایسے ایسے عقائد و اعمال کے گہوارے بن چکے تھے، جن سے صحابہ و تابعین کے دور میں کوئی واقف نہ تھا،

ملا جامی اسی فضا میں آنکھیں کھولتے ہیں، اسی ہوا میں سانس لیتے ہیں، اسی غذا سے نشو و نما حاصل کرتے ہیں، اور اس کے بعد اپنے قلم کو گردش دیتے ہیں، شیخ ابن عربیؒ کے رنگ میں رنگے ہوئے ان کے فلسفۂ وحدت الوجود میں ڈوبے ہوئے، اس پر بھی جب قدم اٹھاتے ہیں تو جادۂ شریعت سے باہر نہیں پڑنے دیتے، ساری کتاب میں بس ایک مسئلہ توحید باری اور اسی کے متعلقات کو مختلف پیرایوں میں مختلف تعبیروں کے ساتھ ادا کرتے ہیں، اور بدعات مشائخ میں سے کسی ایک کے بھی ذکر کی ہمت نہیں پاتے، موضوع نہایت نازک و متین ہے، اس پر بھی انداز بیان اتنا موثر ہے کہ پڑھنے والے پر ایک ہنگامی کیفیت تو فنائیت کی طاری ہی ہو کر رہتی ہے،

آغاز کلام میں زبانِ قلم یوں زمزمہ سنج حمد ہوتی ہے:۔

"خداوندا، سپاس تو بزبان نمی آریم و ستایش تو بر تو نمی شماریم، ہر چہ از صحائف کائنات از جنس اثنیہ و محامد ست ہمہ بہ جناب عظمت و کبریائی تو عاید ست، از دست و زبان ما چہ آید کہ سپاس و ستایش ترا شاید تو چنانی کہ خود گفتہ و گوہر ثنائے تو آن ست کہ خود سفتہ" ؎

آنجا کہ کمال کبریائے تو بود | عالم نمے از بحر عطائے تو بود
ما را چہ حد حمد و ثنائے تو بود | ہم حمد و ثنائے تو سزائے تو بود

مناجات اور طلب توفیق میں متعدد رباعیاں کہی ہیں، مثلاً ؎

(۱) یا رب دل پاک و جان آگاہم دہ | آہ شب و گریۂ سحرگاہم دہ
در راہ خود اوّل تو خودم بیخود کن | آنگہ بیخود ز خود بخود راہم دہ

(۲) یا رب ہمہ خلق را بہ من بدخو کن | از جملہ جہانیان مرا یکسو کن
روئے دل من صرف کن از ہر جہتے | از عشق خودم یکجہت و یکرو کن

تمہید اور مطالب و اغراض تالیف کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

این رسالہ ایست مسمّیٰ بہ لوائح | اس رسالہ کا نام لوائح ہے، اس میں
در بیان معارف و معانی کہ بہ | ان معانی و معارف کا بیان ہے
الواح اسرار و ارواح ارباب | جو ارباب عرفان و اصحاب ذوق
عرفان و اصحاب ذوق و وجدان | و وجدان کے قلوب و ارواح
لائحہ گشتہ بہ مجاہدات لائقہ و | پر روشن ہوئے، اور جنھیں بیان
اشارات رائقہ متوقع کہ وجود | الفاظ مناسب و اشارات دلکش

مقصدی این بیان را درمیان	کے ساتھ قلمبند کیا گیا، امید ہے
نہ بینید و بر بساط اعراض و شما	کہ پڑھنے والے یہاں بیانات کے
اعتراض ننشینند، چہ اورا درین	شارح کی شخصیت کا خیال درمیان
گفتگو نصیبے جز منصب ترجمانی	میں نہ لائیں گے اور اعتراض بکتہ چینی سے
نے، و بہرۂ غیر از شیوۂ	محترز رہیں گے، اسلئے کہ مصنف کا منصب اس
سخن رانی نے ہ	کتاب میں محض ترجمانی کا ہے، اسکی
	حیثیت ایک آلہ سے زاید مطلق نہیں ہے
من ہیچم و کم ز ہیچ ہم بسیارے	میں ہیچ بلکہ ہیچ سے بھی بہت کم ہوں
از ہیچ و کم از ہیچ نیاید کارے	ایسے ہیچ اور کمتر از ہیچ سے ہوا ہی کیا سکتا ہے
ہر سر کہ ز اسرار حقیقت گویم	یہ جو اسرار حقیقت میں بیان کر رہا ہوں
زانم نہ بود بہرہ بجز گفتارے	انکا صرف ناقل و ترجمان ہی ہوں اس سے زائد کچھ نہیں

اب لوائح کے لائحے شروع ہوتے ہیں،

(۱) لائحہ اول، اس بیان میں ہے کہ عالم و ما فی العالم سے قطع نظر کرکے خدائے دوجہان آفریں ہی کی طرف بہ کمال یکسوئی متوجہ رہنا چاہئے،

ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ، حضرت بیچون کہ ترا نعمت ہستی دادہ است در درون تو جز یک دل ننہادہ است تا در محبت او یکرو باشی و یک دل، و از غیر او معرض و بر او مقبل، نہ آنکہ یک دل را صد پارہ کنی و ہر پارہ در پے مقصدے آوارہ ہ

اے آنکہ بہ قبلۂ بتان دوست ترا — بر مغز چرا حجاب شد پوست ترا

دل در پئے این و آن نہ نیکوست ترا　　یکدل داری بس ست یک دوست ترا

(۲) لائحہ دوم، اس حقیقت کے بیان میں ہے کہ مخلوق سے دل لگانا ہی طبیعت میں پراگندگی و انتشار کا باعث ہوتا ہے، اور اگر تو صرف خالق داور و یکتا سے لگی رہے، تو جمعیت خاطر و یکسوئی بھی تمام تر میسر رہے،

"تفرقہ عبارت ازان ست کہ دل را بہ واسطۂ تعلق با مور مقصودہ پراگندہ سازی، و جمعیت آنکہ از ہمہ بمشاہدہ واحد پردازی، جمعے گمان بردند کہ جمعیت در جمع اسباب ست در تفرقہ ابد ماندند و فرقہ بہ یقین دانستند کہ جمع اسباب از اسباب تفرقہ ست از ہمہ افشاندند ؎

ای ماندہ بسحن زہر بابے مگوے　　جز راہ وصول رب ارباب مپوے
چوں علت تفرقہ ست اسباب جہاں　　جمعیت دل ز جمع اسباب مجوے

(۳) لائحۂ سوم کی تعلیم ہے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے اور ظاہر و باطن ہر حال میں نگراں،

زہے خسارت کہ تو دیدہ از
لقاے او بر داشتہ سوے دیگر
می نگری و طریق رضاے او
بگذاشتہ راہ دیگر می سپری ؎

پس کیسے افسوس کی بات ہے کہ
تو اس کے دیدار کو چھوڑ کر دوسروں
کی جانب نظر رکھتا ہے اور اسکی
خوشنودی کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے
کی راہ طے کر رہا ہے ؎

با یار بہ گلزار شدم رہگذری　　میں (عاشق) ایک دن محبوب کیساتھ سیر گلشن کو گیا،
بر گل نظرے فگندم از بیخبری　　اور وہاں اپنی حماقت سے پھولوں کو دیکھنے لگا،

دلدار بہ طعنہ گفت شرمت بادا	اس نے چڑھ کر کہا شرم نہیں آتی کہ میرے رخسار کے
رخسار من این ست تو در گل نگری	ہوتے ہوئے آپ نگاہ پھولوں پر دوڑا رہے ہیں

(۴) لائحہ چہارم کا حاصل ہے کہ ما سوائے حق جو کچھ ہے، زوال پذیر و فانی ہے، باقی صرف ذات حق ہے، اس کے سوا ساری امیدیں اور آرزوئیں لغو و موہوم ہیں،

(۵) لائحہ پنجم، کائنات کی ساری جلوہ آرائیاں اسی جمیل مطلق کا پرتو ہیں، دنیا میں اگر کوئی دانا ہے، تو اس پر اسی کی ذات کا پرتو ہے، اگر کوئی بینا ہے تو اسی کے عکس کی تجلی ہے، غرض دنیا میں جتنے بھی کمالات و اوصاف سمجھے جاتے ہیں سب اُسی کے مظاہر و اظلال ہیں اور اسی کل اور مطلق نے اوج کلیت و اطلاق سے تنزل کرکے اپنی تجلیات کو جزئیت و تقیید میں رونما کیا،

(۶) لائحہ ششم میں انسان کی حقیقت بیان کی ہے کہ

آدمی اگرچہ بسبب جسمانیت	آدمی اپنی جسمانیت کے لحاظ سے
در غایت کثافت ست اما بہ	غایت کثافت میں ہے لیکن اس
حسب روحانیت در نہایت	طرح بہ اعتبار روحانیت
لطافت، بہرچہ روے آرد	انتہائے لطافت میں اب وہ
حکم آں گیرد، و بہرچہ توجہ	جس طرف بھی توجہ کریگا وہی
کند رنگ آں سربرد، بس	رنگ اس پر چھا جائیگا، تو اے
می باید کہ بکوشی و خود را	طالب تجھے لازم ہے کہ تو اپنے
از نظر خود بپوشی و بر ذاتی	کو اپنے سے مخفی کر اور جو ہستی

اقبال کنی و بہ حقیقی اشتغال
نمائی کہ درجات موجودات
ہمہ تجلی جمال او نید و مراتب
کائنات مرائی کمال او و برین
نسبت چنان مداومت نمائی
کہ با جان تو در آمیزد و ہستی تو
از نظر تو برخیزد اگر خود در وے
آوری روے بہ او آوردہ
باشی چون از خود تعبیر کنی تعبیر
از وے کردہ باشی مقید مطلق
شود و انا الحق ہو الحق،

ذاتی و حقیقی ہے، بس اسی کی
جانب مشغول و متوجہ ہو جا، اسلئے
کہ موجودات کی جتنی بھی قسمیں ہیں
سب اسی کے جمال کی تجلیات ہیں
اور کائنات کے جتنے بھی اجزا
ہیں سب اسی کے کمال کا آئینہ،
تو اپنی اس نسبت کو مشق و ریاضت
سے اس درجہ تک پہونچا دے
کہ وہ ہستی حقیقی تجھ تک مدغم ہو جائے
اور خود تیری ہستی میری نظروں سے
غائب ہو جائے، یہانتک کہ
تو اگر اپنا خیال کرے تو عین اسکا
کا خیال کرے، اگر تو اپنا ذکر
کرے تو عین اسی کا ذکر ہو، اور اس طرح مقید مطلق ہو جائے، اور انا الحق ہو الحق کا مصداق بن جائے،

(۷) لائحہ ہفتم سے عملی طریقوں کی تعلیم شروع ہوتی ہے، اس لائحہ میں تعلیم یہ ہے
کہ ذکر الٰہی اور نسبت حق سے کوئی حالت خالی اور وقت کا کوئی لمحہ ضائع نہ گذرنا چاہیئے

"ورزش این نسبت شریفہ می باید کرد بر وجہے کہ ہیچ وقت از
اوقات و ہیچ حالتے از حالات از ان نسبت خالی نہ باشی چہ در
آمدن و چہ در خوردن و خفتن و چہ در شنیدن و خفتن، و بالجملہ در جمیع
حرکات و سکنات ما فراغت می باید بود تا بہ بطالت نہ گذرد"،

(۸) لائحہ ہشتم، جس طرح وقت کو تمامتر ذکر الٰہی سے مشغول و مامور رکھنا چاہیئے، اسی طرح قلب کو بھی کوشش کرکے تعلقات دنیوی سے منقطع کر لینا چاہیئے۔

(۹) لائحہ نہم، اس میں فنا اور فنائے فنا کی تعریف بیان کی ہے،

فنا عبارت از آن ست کہ بواسطۂ استیلار ظہور ہستی حق بر باطن بما سوائے او شعور نماند و فنائے فنا آنکہ بہ آں بے شعوری ہم شعور نماند و پوشیدہ نہ باشد کہ فنائے فنا مندرج است زیرا کہ صاحب فنا را اگر بہ فنائے خود شعور باید، صاحب فنا نہ باشد بہ جہت آنکہ صفت و موصوف آں از قبیل ما سوائے حق اند سبحانہ و تعالیٰ پس شعور باآں فنا فی فنا باشد۔"

(۱۰) لائحہ دہم، توحید کی تعریف بیان کی ہے،

توحید یگانہ گردانیدن دل ست	وہ ما سوائے حق سے دل کے
یعنی تخلیص و تجرید از تعلق	ہر قسم اور ہر نوعیت کے ترک تعلق
بما سوائے حق ہم از روئے طلب	اور قطع وابستگی کا نام ہے اور
وارادت وہم از جہت	وہ طلب وارادات علم ومعرفت
علم و معرفت،	سب پر شامل ہے،

(۱۱) لائحہ یازدہم، کا حاصل ہے کہ انسان پر نفس کی خواہشیں جس وقت غالب ہیں، اس نسبت مع اللہ کو ہر وقت ملحوظ رکھنا لازمی ہے، جوں جوں علائق کی بیڑیاں پیر سے کٹتی جائیں گی، مجاہدوں اور ریاضتوں میں لطف آنے لگے

(۱۲) لائحہ دوازدہم کا خلاصہ یہ ہے کہ مجاہدات میں جوں جوں لذت

جائیگی، انسان اس نسبت مع اللہ کی تربیت و تقویت میں طبعًا زیادہ مصروف ہوتا جائے گا،

(۱۳) لائحہ سیزدہم حقیقت حق تعالیٰ مین ہے :-

حقیقت حق سبحانہ و تعالیٰ جز	حق تعالیٰ کی حقیقت تمام تر اس کی
ہستی نیست و ہستیٔ او را انحطاط	ہستی ہے، ایسی ہستی جس مین کسی
و پستی نے مقدس از سمت تغیر	پستی کی گنجایش نہین، نہ اس مین
و تبدل و مبرّاست از صمت	تغیر و تبدل کا امکان ہے نہ تعدد
تکثر و تحول۔ از ہمہ نشانہا	و تکثر کا گمان، سارے حدود و
بے نشان نہ در علم گنجد و نہ در عیان	قیود سے بالاتر، عقل و حواس دو نوں
	اسے اپنی گرفت مین لانے سے معذور

(۱۴) لائحہ چہاردہم، لفظ وجود کے معنی بیان کئے ہین۔

ایک، تحقق اور حصول، اور یہ حکماء و متکلمین کی اصطلاح ہے،

دوسرے، حقیقت قائم بالذات، یہ اہل عرفان و صوفیہ کی اصطلاح ہے

اور اس معنی مین یہ لفظ ذات حق کے مرادف ہے،

(۱۵) لائحہ پانزدہم، معنی صفات کی تحقیق مین ہے، صفات ایک معنی مین غیر ذات ہیں اور ایک معنی مین عین ذات،

صفات غیر ذات اند من حیث	عقلی تحلیل مین تو صفات بیشک
ما یفہمہ العقول، و عین ذات	ذات سے الگ ہین، لیکن تحقق
اند من حیث التحقق والحصول	و حصول کے لحاظ سے تو عین ذات ہین

مثلاً عالم ذات است بہ اعتبار	مثلاً عالم اس ذات کا نام ہے
صفت علم و قادر بہ اعتبار قدرت	جس میں صفت علم ہو، قادر
و مرید بہ اعتبار ارادت و شک	اس ذات کا جس میں صفت
نیست کہ اینہا چنانکہ بہ حسب	قدرت ہو، مرید اس ذات کا
مفہوم بایکدیگر متغائر اند	جس میں صفت ارادہ ہو، اور
مر ذات را نیز متغائر اند اما بہ	یہ یقینی ہے کہ جس طرح یہ صفات
حسب تحقق بہ حسب تحقق و	باہم متغائر ہیں، اسی طرح ذات
ہستی عین ذات اند کہ آنجا	سے بھی الگ ہیں، لیکن ان کا
وجود ذات متعدد نیست بلکہ	تحقق تو عین ذات ہی میں ہے
وجود جہت واحد،	اس سے باہر ان کا وجود ہی نہیں،

(۱۶) لائحہ شانزدہم میں اس حقیقت کی ترجمانی ہے، کہ ذات بحیثیت ذات تمام اسماء و صفات و اضافات سے معریٰ ہے، لیکن اپنے ظہور و شہود میں ان سب سے متصف ہوتی جاتی ہے، اور جوں جوں تجلیات میں کثرت پیدا ہوتی جاتی ہے، یہ اتصاف بھی بڑھتا جاتا ہے،

(۱۷) لائحہ ہفدہم، یہ لائحہ بہت مفصل ہے، اس میں مراتب تعینات اور ذات واحد کے غنائے مطلق پر دقیق پیرایہ میں گفتگو ہے، خاتمہ کے چند شعر سننے کے قابل ہیں ؎

(۱) داماں غنائے عشق آمد آمد پاک	نہ آلودگی نیاز با مشتی خاک
چوں جلوہ گر و نظارہ گر جملہ خود ست	گر ما و تو درمیاں نباشیم چہ باک

(۲) واجب ز وجود نیک و بد مستغنی ست — واحد ز مراتب عدد مستغنی ست
در خود ہمہ را چو جاودان می بیند — از دید فشان برون ز خود مستغنی ست

(۱۸) لائحہ ہیژدہم، ہر نوع حیوانی کے افراد کے تشخصات اور تعینات کو الگ کر کے اگر دیکھا جائے، تو افراد کے لئے اسم مشترک اسی نوع حیوانی کا نکلے گا، پھر اب جتنی انواع حیوانی ہیں، ان کے ممیزات کو دور کیا جائے، تو اب اسم مشترک "حیوان" رہے گا، اب حیوانات اور اجسام خاص کے دوسرے انواع کے ممیزات کو اگر حذف کیا جائے، تو حقیقت مشترک "جسم" باقی رہے گا، اب یہی عمل تحلیل اگر جسم اور دیگر انواع جوہر کے تشخصات کے ساتھ کیا جائے، تو "جوہر" باقی رہ جائیگا، جوہر اور اعراض کے ممیزات بھی اگر حذف کر دئے جائیں، تو اسم مشترک "ممکن" پڑے گا، اب ممکن و واجب کے ممیزات کی بھی تحلیل کر دی جائے، تو سب سے آخر میں "وجود مطلق" باقی رہے گا، اور یہی تمام ذوات و صفات کا منتہا ہے ؎

تا چند حدیث جسم و ابعاد و جہات — تا کے سخن معدن و حیوان و نبات
یک ذات فقط بود محقق نہ ذوات — این کثرت وہمی ز شئون ست و صفات

(۱۹) لائحہ نوزدہم، یہ شئون و تجلیات جو ذات واحد میں مندرج ہیں، ان کے اندراج کی وہ صورت نہیں ہوتی، جو کل میں جزو کے، ظرف میں مظروف کے اندراج کی ہوتی ہے، بلکہ وہ صورت ہوتی ہے، جو موصوف و ملزوم میں، اندراج اوصاف و لوازم کی ہوتی ہے جیسے ایک کے ہندسہ میں شمول، اندراج اس کے نصف اور ثلث اور ربع وغیرہ کسرات الی غیر النہایۃ کا ہوتا ہے،

(۲۰) لائحہ بستم، وجود مطلق کی حقیقت بجائے خود بدستور اور غیر متغیر رہتی

خواہ وہ اپنے ظہور کے لئے جو بھی قالب اور شئون و اعتبارات کے طور پر جو بھی مظاہر اختیار کرے، ــــــ آفتاب کے نور سے پاک و ناپاک دونوں منور ہوتے ہیں، آفتاب خود پاک یا ناپاک کچھ بھی نہیں ہوتا،

(۲۱) لائحہ بست و یکم، عام قاعدہ یہ ہے کہ

مطلق بے مقید نہ باشد و مقید	مطلق بغیر مقید کے نہیں پایا جاتا
بے مطلق صورت نہ بندد، اما	اور مقید بغیر مطلق کے صورت نہیں
مقید محتاج است بہ مطلق، و	اختیار کرتا لیکن مقید محتاج ہوتا
مطلق مستغنی ست از مقید،	ہے مطلق کا، اور مطلق مستغنی ہے
پس استلزام از طرفین ست	مقید سے، پس لزوم و استلزام
و احتیاج از یک طرف،	تو دونوں جانب سے ہے لیکن
	احتیاج صرف مقید کی جانب سے ہے،

(۲۲) لائحہ بست و دوم، اس کا لب لباب اس رباعی میں آگیا ہے،

ہمسایہ و ہمنشین و ہمرہ ہمہ اوست	در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
در انجمن فرق و نہانخانہ جمع	باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

(۲۳) لائحہ بست و سوم حقیقت وجود اگرچہ تمام مظاہر میں مشترک ہے پھر بھی مراتب و شئون میں باہم بڑا تفاوت ہے، بعضہا فوق بعض، اور ہر مرتبہ کے لئے الگ الگ اسماء و صفات و اعتبارات مخصوص ہیں، مرتبۂ الوہیت و ربوبیت کے اعتبارات اور ہیں، اور مرتبۂ عبودیت و خلقیت کے اور سب کو متحد کر دینا عین کفر و زندقہ ہے

اے بردہ گماں کہ ہست تحقیقی | داند رصفت صدق و یقین صدیقی
ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد | گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

(۲۴) لائحہ بست و چہارم، وجود حقیقی کے مراتب حد شمار سے خارج ہیں، اس کی جب اطلاق اور لاتعینی کے پہلو سے نظر کی جائے، تو اس کا ادراک نہ کوئی عقل کر سکتی ہے، نہ کسی کشف کی رسائی اس تک ہو سکتی ہے، علم و عقل، کشف و شہود سب اس مرتبۂ آخری کے ادراک و عرفان سے عاجز ہیں، ؎

ہر چند کہ جانِ عارف آگاہ بود | کے در حرم قدس تواش راہ بود
دست ہمہ اہل کشف و ارباب شہود | از دامن ادراک تو کوتاہ بود

(۲۵) لائحہ بست و پنجم، حقیقت الحقائق اپنی ذات میں واحد ہے، شمار و عدد کا وہاں گذر نہیں، لیکن بہ لحاظ تجلیات و شئون کثیر و متعدد ہے، عین وحدت کے لحاظ سے اُسے حق سے موسوم کرتے ہیں، اور بہ لحاظ ظہور و تعدد یہی خلق ہے، ظہور و بطون، ازلیت و آخریت، سب اسی کے نسب و اعتبارات ہیں، اور یہی معنی ہیں آیہ کریمہ ھوالاول والآخر والظاھر والباطن کے۔

(۲۶) لائحہ بست و ششم، اس میں شیخ ابن عربیؒ کے اس قول کی شرح ہے، کہ عالم عبارت ہے ان اعراض سے جو عین واحد میں کہ حقیقت ہستی سے مجتمع ہو گئے ہیں، اور ان میں ہر لحظہ اور ہر آن تجدد و تبدل ہوا کرتا ہے، جیسا کہ آیہ کریمہ سے مترشح ہوتا ہے، بل ھم فی لبس من خلق جدید،

(۲۷) لائحہ بست و ہفتم، جمال وحدت حقیقی کے حق میں عظیم ترین حجاب اور کثیف ترین نقاب اس کے یہی تقیدات و تعینات ہیں، نظر حقیقت بین میں اگر

رہ جاتی ہیں ـــــ موجوں کے کھیل تماشہ میں دل ایسا منہمک ہو جاتا ہے، کہ سمندر کی موجودگی کا احساس ہی جاتا رہتا ہے ؎

بحریست وجود جاوداں موج زناں ✧ زاں بحر ندیدہ غیر موج اہل جہاں
از باطن بحر موج بینی گشتہ عیاں ✧ بر ظاہر بحر، بحر در موج نہاں

(۲۸) لائحہ بست و ہشتم، حقیقت ہستی اپنے جمیع شئون و صفات، نسب و اعتبارات کے ساتھ ہر موجود کی حقیقت میں شامل و ساری ہے، شیخ محمود شبستری صاحب گلشن راز اسی مسئلہ کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

دل یک قطرہ را اگر بر شگافی ✧ برو موج آید از وصد بحر صافی

(۲۹) لائحہ بست و نہم، مظاہر سے جو فعل صادر ہوتے رہتے ہیں، ان کے صدور کا انتساب از روئے صورت ان مظاہر کی جانب صحیح ہے، لیکن از روئے حقیقت کہ نفس الامر میں سب کا انتساب صرف اُسی ذات واحد کی جانب صحیح ہو سکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے، واللہ خلقکم وما تعملون

(۳۰) لائحہ سی ام، ہر امر وجودی بجائے خود خیر محض ہے، جس عمل میں شر و ذم کا پہلو نکلتا ہے، وہ کسی فعل وجودی کا بجائے خود نتیجہ نہیں، بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ ایک فلاں امر وجودی نے دوسرے امر وجودی کو معدوم کر دیا ـــــ زید اگر بکر کو قتل کر ڈالتا ہے تو یہ واقعہ اپنے اثباتی یا ایجابی پہلو یعنی زید کی قابلیت قتل کے لحاظ سے مذموم نہیں، بلکہ اپنے عدمی و سلبی پہلو سے مذموم ہے، یعنی اس اعتبار سے کہ اُس نے بکر کی حیات کو مرتبۂ تکمیل تک نہ پہنچنے دیا،

(۳۱) لائحۂ سی و یکم، اس میں شیخ صدر الدین قونویؒ کے ایک قول کی شرح کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ علم تابع ہے وجود کے، ہر حقیقت وجودی کے لئے ایک علم ہے، اور جو تفاوت حقائق وجود میں ہے، اسی کے تناسب تفاوت علم بھی رہتا ہے۔

(۳۲) لائحۂ سی و دوم جس طرح ہستی مطلق کی حقیقت، کائنات کی ہر ہر ذات میں شامل و مندرج ہے، اسی طرح اس کے صفات بھی جملہ صفات موجودات میں جاری و ساری ہیں

(۳۳) لائحۂ سی و دوم، اصل عبارت :۔

"حقیقت ہستی ذات حق سبحانہٗ و تعالیٰ اشئون و نسب و اعتبارات آن صفات او و اظہار و مرخودش را متلبسۃ بہذہ النسب والاعتبارات فعل تاثیر او تعینات ظاہرۂ مرتبہ علی ہذا الاظہار آثار او"

(۳۴) لائحۂ سی و چہارم، حضرت حق کی تجلیات دو ہیں، ایک غیبی، اس کو صوفیہ فیض اقدس سے موسوم کرتے ہیں، دوسرے شہادی وجودی، اس کا اصطلاحی نام فیض مقدس ہے،

و این تجلی ثانی مترتب بر تجلی	یہ دوسری تجلی اسی پہلی تجلی
اول ست و مظہر ست بر کمالا تے	پر مترتب ہوتی ہے، اور جن
را کہ بہ تجلی اول در قابلیات	کمالات کو تجلی اول نے درجہ
و استعدادات اعیان	قابلیت و استعداد میں مندرج
اندراج یافتہ بود،	رکھا تھا، ان کی یہ مظہر ہوتی ہے

تاریخ تصوف کے بہت متاخر زمانہ کی بساط بھی نظروں کے سامنے

پھر گئی تصوف کی جگہ اب فلسفہ تصوف لے چکا ہے، اصطلاحیں تمام باہر والوں کی پھیل گئی ہیں، یہ سب ہے، لیکن گفتگو وہی توحید ہی پر جاری ہے، مشرکانہ خیالات، نیم مشرکانہ بدعات و رسوم کا نام بھی شروع سے آخر تک نہیں آنے پاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارا فن توحید ہی سے شروع ہوتا ہے، اور توحید ہی پر ختم ہو جاتا ہے،

باب (۹)

فقرِ محمدی

پرانے مشائخ طریقت میں ایک بزرگ شیخ احمد بن ابراہیم الواسطی گذرتے ہیں جن کو شیخ عبدالحق دہلوی "عالم عامل" اور "عارف کامل" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں کہ

از کبار مشایخ دیار عرب بود و	عرب کے مشہور مشایخ میں سے
مقتدائے روزگار و در طریق اتباع	تھے اور اپنے زمانہ کے پیشوا اور
سنت و تقویم و ترویج ایں طریقہ	پیروی سنت رسولؐ اور اس کے
بے نظیر وقت خود بود،	پھیلانے میں اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔

ان بزرگ کا عربی میں ایک رسالہ الفقر المحمدی کے نام سے ہے، شیخ دہلویؒ کو ایک نسخہ اس کا ہاتھ لگ گیا، اس کا فارسی ترجمہ انھوں نے تحصیل الکمال لابدی باختیار الفقر المحمدی کے نام سے کر دیا، جو ان کے مجموعۂ رسائل و مکتوبات میں نمبر پانچ پر شائع ہوا ہے، آج تصوف کے بہت سے دشمن اور مخالفین اور بہت سے دوست و موافقین، اس کو شریعت اسلام سے علیحدہ کوئی مستقل نظام سمجھ رہے ہیں، ان دونوں گروہوں کے حق میں شاید اس کے بعض مطالب

کامطالعہ مفید ہو، ترجمہ لفظی نہیں، عنوانات میرے اضافہ کئے ہوئے ہیں، اور مضامین کی ترتیب بھی میری ہی قائم کی ہوئی ہے،

تصوف کا اصل اصول اگر سچی درویشی اور اصلی فقیری کی طلب ہے جس کی جڑ مضبوط جس کی شاخیں بلند ہوں تو لازم ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقیری اور درویشی کو اختیار کرو، اور انہی کی پیروی کرو کہ صاف اور پاکیزہ پانی وہیں ملتا ہے، جہاں سے چشمہ پھوٹتا ہے، اور بعد کے آنے والوں کی درویشی نہ اختیار کرو، کہ پانی سرچشمہ سے دور جا کر گندلا ہو جاتا ہے، اور اس کا رنگ اصلی قائم نہیں رہتا ہے،

اس مسلک کا انجام اس طریقۂ محمدی پر اگر قائم رہے تو امید ہے کہ اگلوں سے جا ملوگے، جو پیغمبر خدا کے اصحاب میں تھے، قیامت کے روز پیمبر کے جھنڈے کے نیچے پیمبر اور یاران پیمبر کے ساتھ تمہارا حشر ہوگا، یہ وہ وقت ہوگا کہ دوسرے اپنے اپنے شیوخ اور مرشدوں کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، لیکن تمہارے اوپر اس وقت تمہارے شیخ یعنی حضور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کا سایہ ہوگا،

تصوف کے معنی لوگوں کی زبان پر آج فقر فقر ہے، لیکن اسکی حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہیں، نہ یہ جانتے ہیں کہ اسکی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے، اور نہ یہ خبر ہے کہ اسکی انتہا کیا ہے، اگر فقر کے معنی سمجھ میں آجائیں اور اس کے ابتدائی مدارج کا علم ہو جائے تو اس پر اس کی انتہا کا بھی قیاس کیا جا سکتا ہے، فقر کے میدان میں قدم رکھنا صرف اسی وقت ممکن ہے کہ جب ممنوعات سے بچنے اور احکام کی تعمیل پر قدرت حاصل ہو لے،

لازمی شرطیں

اس رنگ میں ڈوبنے کے لئے پہلی شرط یہ ہے، جس طرح اپنے جسم کو گناہ سے محفوظ رکھتا ہے، اسی طرح فقیر اپنے دل کو خیالی گناہ سے محفوظ رکھے، اور اگر دل میں کبھی کوئی خطرہ پیدا ہو، تو فوراً اس سے توبہ کرے، فقیر ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کے دلوں میں مرضی الٰہی کے خلاف کسی خطرہ کا گذر ہی نہیں ہوتا، انھیں اس امر کی شرم ہوتی ہے، کہ خدا کی دوستی کا دعویٰ کر کے کسی غیر خدائی خیال کو دل میں آنے دیں، یہ فقر کا ابتدائی مرتبہ ہے، جب تک یہ قدرت نہ حاصل ہو جائے، زبان پر فقیری کا نام لاتے ہوئے بھی شرمانا چاہیئے،

گناہ سے بچنے، احکام کی پابندی کرنے، اور دل کو خطرات و وساوس سے محفوظ کر لینے کے بعد فقر کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ خدا کی طلب اور محبت دل پر اتنی غالب ہو جائے کہ دنیا کے تمام فوائد و منافع بالکل جل جائیں اور ان کا خیال تک نہ آنے پائے، دل کو محض محبوب حقیقی و مطلوب اصلی کے لئے مخصوص ہو جانا چاہیئے، اور ماسویٰ سے بالکل خالی ہو جانا چاہیئے جب تک یہ کیفیت نہ طاری ہو جائے، فقیری کا دعویٰ کرنے سے شرمانا چاہیئے

کاملین کا مرتبہ

اور یہ جو شرطیں بیان کی گئیں، یہ مبتدیوں کے لئے ہیں، جب دل کو انھیں کے سننے کی تاب نہیں، اور ان پر عمل کی توفیق نہیں تو پھر کاملین کے مرتبۂ کمال کو وہ کیونکر سمجھ سکتا ہے، اور اس کی تشریح اس مختصر رسالہ میں کیسے کی جا سکتی ہے، صرف ان کے مرتبہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے،

جھوٹے مدعی

رونے کا مقام ہے کہ ہم میں ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے، جو حرام

کھاتا ہے اور باطل میں مشغول رہتا ہے، جو ان لوگوں کو مل جائے وہی انکے نزدیک حلال ہے، اور جو نہ ملے وہ حرام ہے، دن رات انہیں یہ دھن سوار رہتی ہے کہ لذیذ غذائیں کھانے کو اور خوبصورت چہرے دیکھنے کو اور نغمہ کی آوازیں سننے کو ملتی رہیں، اور اس دھن میں یہ بڑے بڑے دعوے نکالتے ہیں اور اپنے میں وجد و حال ظاہر کرتے ہیں، تاکہ عوام ان کے معتقد ہوں اور انھیں دنیا کچھ اور ہاتھ آئے، ان کو نہ حلاوت اسلام سے واسطہ اور نہ لذت ایمان سے سروکار، ساری ساری رات رقص و سماع میں مصروف رہتے ہیں اور نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، تو گویا ٹکریں مار کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور امیروں اور بادشاہوں کے یہاں آمد و رفت، اور ان سے نذریں حاصل کرنے پر فخر کرتے ہیں خدا تعالیٰ ان کے شر سے بچائے کہ دنیا کے رہزنوں سے کہیں بڑھ کر یہ دین کے رہزن ہیں، دنیا کا رہزن مال لیجاتا ہے، اور یہ دولت ایمان پر ہاتھ صاف کرتے ہیں، پر ان کے لباس فقر کا اثر پڑتا ہے اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ فقیری اسی کا نام ہے،

سچے فقیر کی علامات محمدی فقیروں کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کے ذوق سے مست رہتے ہیں، اس کی آواز پر وجد کرنے لگتے ہیں، اور اس کے سننے کے وقت ان پر خود متکلم (یعنی خدا) کی تجلیوں کا نزول ہونے لگتا ہے، کیسے غضب کی بات ہے کہ جس محبوب کی محبت کا دعویٰ کیا جائے، اسی کے کلام میں لطف نہ آئے اور اس کے لئے طبیعت حاضر نہ ہو، اور لطف آئے تو شعر و قصیدہ پر، گانے بجانے پر اور تالیوں پر!

سماع اور قرآن اللہ کے دوستوں اور عاشقوں کے لئے ساری لذت

وحلاوت قرآن مین ہے، اور ان کی راحت وتسکین کا سامان اسی مین ہے، کلام کے ساتھ ان کا دل متکلم سے وابستہ ہو جاتا ہے، اور قرآن وحدیث مواعظ و اخبار وعد و وعید کو سنتے ہی ان کے دلون مین گداز پیدا ہو جاتا ہے، اور متکلم کی عظمت مین وہ اپنی ہستی گم کر دیتے ہین، اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ شعر کو نہ کہ قرآن کو طبیعت بشری سے خاص مناسبت ہے، اس لئے اشعار کو سن کر دل مین قدرۃً تحریک پیدا ہوتی ہے، سو یہ قول لغو و بے حقیقت ہے، اس لئے کہ شعر کے وزن اور موسیقی کے تال سُر پر حرکت کرنا جبلت حیوانی کا تقاضا ہے، چنانچہ حیوانات اور بچے سب اچھی موسیقی سے اثر قبول کرتے ہین، یہ فطرت حیوانی ہے، انسان کی اعلیٰ فطرت کا درجہ اس سے کہین بلند ہے، جن کے دلون مین ایمان گھر کر چکا ہے، اور محبت الٰہی حلاوت حاصل کر چکی ہے، جیسا کہ حضرات صحابہؓ اور ان کے بعد آنے والے کا حال تھا، سو ان کے قلوب کو حرکت مین لانے والی اور ان کے شوق، وجد، رقت، اور خشوع کو بڑھانے والی شے قرآن پاک کی سماعت ہی ہو سکتی ہے،

عملی ہدایات صحیح تصوف یا فقر محمدی مین قدم رکھنے والون کے لئے عملی ہدایتون مین سے پہلی شے یہ ہے،

اپنے پروردگار کے سامنے جس نے قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نعمتین اتاری ہین، صدق دل سے توبہ کرنا، پھر تنہائی مین جا کر سب کی نظرون سے الگ، وضو کر کے دو رکعتین پڑھنا، اس سے فارغ ہو کر ننگے سر، ہاتھ باندھے ہوئے اپنی خطاؤن پر نادم ہو کر اتنی دیر کھڑے رہنا کہ دل

گداز پیدا ہو جائے، اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جائیں، اس وقت رو رو کے توبہ و استغفار کرنا، الفاظ حدیث کے مطابق سید الاستغفار پڑھنا پھر بطریق پیروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم و مضبوط رہنے کے لئے توفیق چاہنا اور آیندہ کے لئے مضبوط عہد کرنا، کہ آنکھ، کان، زبان، شکم، شرمگاہ، اور ہاتھ پیر ہر قسم کے گناہ سے محفوظ رہیں گے، ایسا کہ جب دن ختم ہو تو نہ زبان کسی کی بدگوئی جھوٹ، بد زبانی وغیرہ سے آلودہ ہوئی ہو، نہ کان نے کوئی بیجا بات سنی ہو، اور نہ آنکھ کسی ایسی چیز پر پڑی ہو، جس کا دیکھنا، شرعاً پسندیدہ نہ تھا، اور نہ خالق و مخلوق میں سے کسی کا حق اپنے اوپر باقی رہنے دے،

عملی ہدایات کی دوسری دفعہ یہ ہے کہ نماز باجماعت، اپنے ارکان و آداب و حضور قلب وغیرہ کی پوری پابندیوں کے ساتھ ادا کیجائے، ایسی کہ حدیث میں جو لفظ "احسان" آیا ہے، اس کی پوری عملی تفسیر ہوتی رہے، حال صحیح وہی ہے، جو حالت نماز میں طاری ہو، بندہ اور پروردگار کے درمیان رابطہ پیدا کرنے والی شے نماز ہے، پس اگر نماز میں حضور قلب نہیں پیدا ہوتا تو اس کا کوئی حال معتبر نہیں، اس لئے کہ جس بندہ کے حجابات ایسی منزل قرب میں بھی پہونچ کر دور نہیں ہو سکے، اس کے لئے کسی دوسرے موقع پر اسکی کیا امید ہو سکتی ہے، حیف ہے کہ سماع شعر کے وقت تو قلب حاضر ہو لیکن جو وقت عین حضوری حق کا ہوتا ہے، اسی وقت غائب ہو، ایسی فقیری فاسد اور ایسی درویشی ناجائز،

بنیاد کار | یہیے تصوف کی بنیاد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و ربط قلب

پیدا کرنے پر ہے، اپنے دل کو اس ذات گرامی کی محبت میں اٹکایا جائے، اسی کو اپنا شیخ اور اپنا امام بنایا جائے، اسی کے نام پر بکثرت درود وصلوٰۃ بھیجا جائے اور اسی کے ساتھ پیوند محبت مستحکم کرلیا جائے، تمام درویشوں کو دیکھا ہوگا کہ ان کے دلوں میں، ان کے مرشدوں کی عظمت ایسی بیٹھ جاتی ہے کہ وہ جب کبھی اپنے شیخ یا مرشد کا نام سنتے ہیں تو بے چین ہو جاتے ہیں، یہی کیفیت یہی نسبت قلب سچے درویش کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کیساتھ پیدا کرلینا چاہئے، اپنا امام اور اپنا شیخ انہی کو بنانا چاہئے، دل میں خیال آئے تو انہی کا، آنکھوں میں صورت پھرتی رہے تو انہی کی، کان لذت حاصل کریں تو انہی کے نام مبارک سے، عظمت کا احساس ہو تو انہی کے ذکر سے، زبان انہی پر درود بھیجنے میں لگی رہے، دل میں ان ہی کے حالات سننے اور جاننے کا ذوق پیدا ہو، حدیث وآثار کے پڑھنے سے علاقہ محبت کو اور ترقی ہو، شوق واشتیاق ہو تو انہی کا، یاد ہو تو انہی کی پیروی ہو تو انہی کی، ہر امر میں انہی کے حکم کی تعمیل اور پیروی کا شوق غالب ہو، اور ان کی پیروی میں اتنی شدت برتی جائے کہ ہر شخص دیکھتے ہی محمدیؐ سمجھ لے،

رسالہ کے اہم ضروری مطالب کا ملخص سطور بالا میں آگیا، شیخ عبدالحق دہلویؒ ان تمام مطالب کو نقل کر دینے کے بعد خود بھی ان کی پرزور تائید کرتے ہیں، کیا اہل شریعت اس میں کوئی امر اپنے عقیدہ کے خلاف سمجھتے ہیں؟ کیا اہل طریقت کو اس میں کہیں حرف رکھنے کی گنجائش ہے، کیا کسی گروہ کو کوئی وجہ اعتراض ہے؟

ہمارے سچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے دنیا کو یہ پیام پہنچا تھا کہ غیر مسلم اگر خدائے واحد و یکتا کی پرستش پر متفق ہو جائیں تو مسلمانوں سے فوراً صلح ہو سکتی ہے، اگر آج سارے اسلامی فرقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم برحق کی محبت و اطاعت کے مرکزی نقطے پر جمع ہو جائیں تو آپس کی رنجش و نقیض ردوکد کے لئے کوئی گنجائش رہ جاتی ہے،

ضمیمہ

مرشد کی تلاش

(منقول از سچ، بعد نظر ثانی کامل)

خیرآباد (ضلع سیتاپور اودھ) سے ایک صاحب کا بہت طویل مراسلہ مہینوں سے آیا ہوا پڑا ہے، دوسرے مضامین کے ہجوم نے اب تک توجہ نہ کرنے دی (اور یہ سچ اور صدق کی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں) مراسلہ کا زیادہ ضروری حصہ حسب ذیل ہے،

"مدت سے میں ایک ضمیری الجھن میں مبتلا ہوں، کوئی روحانی طبیب مجھے ملتا نہیں، بحیثیت مسلمان پیری مریدی سے متعلق آپ کے حقیقت آگیں خیالات سے مستفیض ہونا چاہتا ہوں، خوش نصیبی یا بدنصیبی سے میرے خاندان میں دونوں شغل ہوتے ہیں، مجھے اب تک کسی اللہ والے سے نسبت ارادت حاصل نہیں،

اسلامی نقطہ نظر سے پیری مریدی کے اغراض و مقاصد کیا ہیں؟ ملت مرحومہ کے لئے من حیث الاسلام یہ کہاں تک لازمی ہے؟ کیا قرن اوّل میں جو اسلام کا عہد سعادت تھا اس کی مثالیں ملتی ہیں؟ عہد نبوت و عہد صحابہ کے بعد دور تابعین میں بھی کیا پیری مریدی کی یہ کثرت اور

غیر خوش آیند بہتان تھی؟ تمسک بالکتاب والسنتہ کے بعد کیا یہ بھی لازمی ہے کہ کسی رسمی پیر کی پیروی کیجائے؟ ایک مسلمان طاعات الٰہیہ کا پابند، اللہ سے ڈرتا ہے، سچ بولتا ہے، مشائخ کرام وصلحاے امت کا ادب و احترام رکھتا ہے، لیکن عرف عام میں مرید نہیں؟ کیا عنداللہ وہ اس کا بھی ذمہ دار ہے؟ اگر بیعت کا مقصد دعوت الی الحق، رشد و ہدایت وغیرہ ہے، تو آج کل پیروں کی جماعت عموماً یہ خدمت کہاں تک انجام دے رہی ہے؟ پھر محترم علماے امت کی موجودگی میں اس سے الگ اس جماعت کی ضرورت ہی کیا ہے؟ پھر اگر اس وقت اس جماعت میں کچھ صاحبان علم و عمل افراد ہیں بھی تو ان میں ایسوں کا تو بالکل پتہ نہیں، جو بلا خوف لوم لائم اظہار حق میں بیباک ہوں،

صحابۂ کرام کی زندگیوں کے مرقع محفوظ ہیں، کیا اُن سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں دو جماعتیں ہونی چاہئے، ایک دین کی رہنمائی کیلئے اور دوسری دنیا کی، یا یوں کہا جائے، ایک مسلمانوں کے قلب و ضمیر کی اصلاح کرے اور دوسری شریعت کے ظاہری احکام کی طرف رہنمائی کرے؟ اس کے علاوہ کوئی مسلمان اگر اپنی فطری صلاحیت سے اپنے اخلاق کی اصلاح کرنا چاہے تو کیا یہ ممکن نہیں؟

یہ بھی ارشاد ہو جائے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ الجاھلیۃ کا کیا مفہوم ہے؟ اور امام سے مراد امیر امت، قائد عسکر، مرشد طریقت،

وامام جماعت سب ہو سکتے ہیں، لیکن اول الذکر دونوں صورتوں میں شان ہندو کے کروڑوں حلقہ بگوشان اسلام کے لئے صورت تشفی کیا ہے؟

مشائخ کرام قرآن مجید کی سورۃ الفتح کی آیت ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ الخ سے بھی استدلال فرماتے ہیں اور بیعت طریقت کو لازمی گردانتے ہیں، کیا موجودہ مروجہ بیعتوں کو کوئی نسبت اس سے ہے، اور یہ بیعتیں کس حکم میں داخل ہیں؟ ایک بیعت اس خیال سے بھی کیجاتی ہے کہ تمام عمر جو کچھ بھی کرتے رہو، لیکن اگر کسی سلسلۂ عالیہ میں داخل ہوگئے تو بس تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے،

اب واقعی بیعت کی دو صورتیں رہ گئی ہیں، ایک کسی مسلمان کا اپنے گناہوں پر پشیمان ہونا اور کسی محترم شخصیت کے ہاتھ پر ترک گناہ کا عہد کرنا، مگر ظاہر ہے کہ آج کل یہ خیال سرے سے پیش نظر ہی نہیں، اب رہی دوسری صورت اور وہی یقیناً مبارک ہے یعنی کسی مسلمان کو پورا پورا پابند شریعت اور متبع سنت پائے اور اس کے قدم بہ قدم چل کر اپنی دنیا و عاقبت سنوارے، لیکن جناب محترم مجھ سے کہیں زیادہ باخبر ہیں کہ آج مسلمان اس پر کہانتک عامل ہیں۔ ...... جامعہ عثمانیہ کے ایک ممتاز فاضل سے گفتگو آئی، اُن کی تقریر کا ماحصل یہ نکلا کہ مسلمان ان معاملات میں بھی دوسرے اقوام کے عقائد و خیالات سے متاثر ہوئے ہیں، اور اُنھوں نے تاریخی شہادتوں سے استناد کیا۔"

مراسلہ نویس کے دل میں جو خیالات اور سوالات پیدا ہوئے بہتوں کے

ذہن انہی الجھنوں میں پڑے ہوئے ہیں، اور سچ یہ ہے کہ جس سے وہ اپنی تشفی چاہتے ہیں وہ خود بھی کسی طبیب روحانی کا محتاج ہے، تاہم بعض پرانے مریض طبیبوں کی باتیں سنتے سنتے، ان کی دربارداری کرتے کرتے خود بھی نیم طبیب سے ہو جاتے ہیں، اور اگر خود بدستور بیمار ہی چلے آتے ہوں تاہم اپنے تجربوں سے نئے مریضوں کو کچھ تو ڈھارس بندھا ہی سکتے ہیں،

سب سے پہلے ایک اہم اور بنیادی حقیقت کو پیش نظر کر لیجئے، صاف و صریح اتنی کہ اس کی وضاحت و صراحت بھی اکثر اسکی اہمیت کو نظروں سے گرائے اور دلوں سے بھلائے رکھتی ہے، اور وہ حقیقت یہ ہے کہ آج جو علوم ظاہری خالصۃً دینی کہے اور سمجھے جاتے ہیں اور سب ہی اپنی موجودہ متعین و منضبط ہیئتوں اور صورتوں کے ساتھ مصطلحات کا انبار عظیم لئے ہوئے، بدعت کے لغوی مفہوم کے اعتبار سے بدعت ہی میں داخل ہیں،

تفسیر، اصول تفسیر، فقہ، اصول فقہ و کلام کے آج جو ماشاء اللہ دفتر کے دفتر موجود ہیں، عہد رسالت میں یہ کہاں تھے، اور سب کو جانے دیجئے، براہ راست سنت رسول ہی کو لیجئے، آج حدیث کے متون ہی کا کتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے، پھر ان کی شرحیں ہیں، ان کی تسہیل کے لئے مستقل لغات ہیں، دفاتر روایات و آثار کی کتنی مختلف قسمیں اور طبقات ہیں، سب کے الگ الگ مرتبے اور درجے ہیں، رجال کا ایک مستقل فن ہے، احادیث کے جانچنے اور پرکھنے کے لئے روایت اور درایت کے قانون و ضابطے ہیں، مصطلحات فن کی تعداد سینکڑوں کی ہے، فن حدیث میں مہارت پیدا کرنے کے لئے برسوں کی محنت و مطالعہ اور مدتوں تک استادوں اور کاملین فن کی ہدایت اور صحبت لازمی ہے، ظاہر ہے کہ عہد رسالت میں یہ کچھ بھی نہ تھا، سرور عالم کی سادہ اور معمولی روزمرہ کی گفتگو حدیث تھی اور آپ کا

بڑا چھوٹا ہر عمل سنت ـــــ تو کیا اب کوئی اس بنا پر حضرات محدثین کی ساری کوششون اور کاوشون کو "بدعت" کہہ دینے کی جراءت کرے گا؟

اسی طرح حضرات فقہا کی ساری موشگافیان، قیاس و اجماع کی بحثین، استقرار و استنباط، تقلید و اجتہاد کے مسائل عبارۃ النص اور اشارۃ النص، دلالت النص اور اقتضاء النص کی قسم کی سیکڑون اصطلاحین دور نبوی مین کہان تھین، اور کہان سے ہو سکتی تھین تو کیا کوئی بخاریؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ، و ابو داود کی طرح ابو حنیفہؒ و شافعیؒ، مالکؒ و احمدؒ، نخعیؒ و اوزاعیؒ، شیبانیؒ و طحاویؒ کی بھی جانفشانیون کو ضائع قرار دینے اور "بدعت" کے حکم مین لانے کی جراءت کر کے، شریعت ہی کے بہت بڑے حصے سے انکار کر گذرے گا؟ ــــ اور تو اور خود قرآن مجید اسی مکتوبی شکل مین اعراب و علامات وقف سے مزین، پارون، سورتون، رکوعون اور آیتون کے ساتھ مدون عہد رسالت مین کہین یکجا موجود تھا؟

بات بالکل صاف اور موٹی ہے، لیکن ذہن انسانی کا یہ بھی کچھ خاصہ سا ہے، کہ سامنے کی چیزون کو اکثر ناقابل التفات سمجھے رہتا ہے، اور دور دراز کی باریکیون مین الجھنے کا شوق رکھتا ہے، تو غرض یہ کہ جو حال فقہ کا ہے، حدیث کا ہے، تفسیر کا ہے، جملہ علوم ظاہری شرعی کا ہے، بلکہ ویسا ہی حال علم باطن یعنی سلوک و تصوف کا ہے، عہد نبوی مین بے شک نہ لفظ تصوف رائج تھا نہ صوفی، اور نہ ذکر و شغل، حال و مقام، مکاشفہ و مراقبہ کی وہ سیکڑون اصطلاحین چلی ہوئی تھین، جن سے آج کتب فن لبریز ہین، خود مرشد اور شیخ اور بیعت اور مسترشد بھی اس اصطلاحی معنی مین ناپید تھے، لیکن عرض یہ ہے کہ اس اصطلاحی معنی مین خود فن حدیث ہی کہان موجود تھا، نہ کوئی اسماء الرجال

کے نام سے آشنا تھا، نہ جرح و تعدیل کے اصول و قواعد سے، نہ ضعیف اور موضوع اور متواتر اور مشہور اور صحیح و حسن کی اصطلاحیں مقرر ہوئی تھیں، نہ کسی دماغ میں مدلس اور طبقات المدلسین کا مفہوم تھا، لیکن اگر بحث و اصطلاح کی بحث سے گذر کر نفس حقیقت اور اصل مغز تک پہنچنا مقصود ہے، تو جس طرح ہر صحابی، یا بزم رسولؐ کا صحبت یافتہ اور دربار رسولؐ کا حاضر باش، اپنی اپنی جگہ اور اپنے درجہ، ظرف اور بساط و استعداد کے موافق مفسر تھا، محدث تھا، فقیہ تھا، متکلم تھا، اسی طرح اور اسی نسبت سے صوفی و سالک بھی تھا، یعنی اپنے اپنے ظاہر کے ساتھ اپنی باطن کی بھی اصلاح کا طالب! ـــــــ صحابہ کرامؓ مریدین و مسترشدین تھے، اور سب کے شیخ اور مرشد کل، وہی جو ساری دنیا کے لئے معلمؐ و مزکیؐ و مطہرؐ ہو کر آئے تھے،

کہا جاتا ہے کہ تمسک بالکتاب والسنۃ کے بعد کسی رسمی شیخ کی ضرورت کیا باقی رہ جاتی ہے۔ دُہرا مغالطہ سوال کے اندر موجود ہے، ایک تو لفظ رسمی خود، تمسک بالکتاب والسنۃ بھی اگر محض رسمی ہی ہے، حقیقت سے خالی، تو کچھ زیادہ مفید نہیں، اصل ضرورت تو مردہ رسم میں حقیقت کی جان ڈالنے کی ہے، اور پھر دوسری بات یہ کہ حقیقی تمسک بالکتاب والسنۃ بغیر کسی زندہ شخصیت کے توسط کے عموماً اور عادۃً ممکن (اور ممکن بھی ہو تو آسان) کب ہے؟

حدیث و سنت کے جن نوشتوں کو آج ہم سرچشمۂ تقدیس سمجھ رہے ہیں تو کیا تقدس ان کے حروف و نقوش، کاغذ کی سفیدی اور روشنائی کی سیاہی میں رکھا ہوا ہے، ان کے تقدس کی بنا بس اسی قدر تو ہے کہ ان کے اندر دنیا کی زندہ ترین شخصیت کی روح کسی حد تک زندہ ہے، یہ روح کیسی عجیب بات ہو گئی کہ بے جان

کاغذ کے بے جان ورقوں مین تو منتقل ہوجائے، اور انسان، جسے اللہ نے روے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے، اس کے زندہ قالب وقلب مین منتقل نہ ہوسکے، یہ روح الماریون کے سفینون مین تو محفوظ رہ جائے، اور راست باندون اور پاک سرشتون کے سینون کو مشتعل و منور نہ کردے، تلک اذا قسمۃ ضیزیٰ،

شریعت ظاہر کا طالب علم کہتا ہے، کہ ہم فلان اور فلان اقوال و اعمال کی تعلیم فلان فلان کتابون کے ذریعہ سے رسول اکرمؐ سے حاصل ہوئی ہے، طریق باطن کا سالک سناتا ہے کہ ہم کو فلان اور فلان احوال و مقامات کی تفصیل فلانؓ فلان شخصیتون کے واسطہ سے رسول اکرم سے پہنچی ہے! دونون کے درمیان اصلی اور اساسی فرق کیا ہوا؟

قرآن مجید رسولؐ کا تو کلام نہین، اللہ کا کلام ہے، اور بندون ہی کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے، یہی ہم سب کا ایمان ہے، اور قرآن مجید اس دعوی کی بار بار صراحت کرتا ہے، کہ اس مین ساری ضروری ہدائیتن تفصیل کے ساتھ موجود ہین، با اینہمہ یہ نہ ہوا کہ قرآن لکھا لکھایا براہ راست تمام بندون کے پاس پہنچ جاتا، منکرین اور مومنین اسے آسمان سے اترتا ہوا اپنی آنکھون سے دیکھ لیتے، کسی اونچے پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہوا مل جاتا، یا ایک روز جب صبح ہوتی تو اس کا ایک ایک نسخہ ہر شخص کے سرہانے موجود ہوتا، قادر مطلق کے لئے ان مین سے کوئی شے دشوار تھی؟ لیکن حکیم برحق نے یہ کچھ نہ کیا، بلکہ اس کے برعکس یہ طریقہ اختیار کیا کہ پہلے ایک تباہ کار قوم کے درمیان، جو جغرافی اعتبار سے اس وقت کی آباد و مہذب دنیا کے عین مرکز مین آباد تھی، ایک پاکیزہ سرشت و صالح مزاج

انسان پیدا کیا، ۴۰ سال کی عمر تک اس شخصیت کو اس قوم کے درمیان ہر قسم کے سابقہ اور تعلق کے ساتھ چلتا پھرتا ہوا رکھا اور اس کی سرشت وطینت، عادات و اطوار کی جزئیات تک کی جانچ اور پرکھ کا موقعہ اس کی قوم والوں کو دیا، جب یہ سب مرحلے طے ہو چکے، جب جا کر پیام کا نزول شروع ہوا، پھر اس وقت بھی پیام سے پیشتر پیامبر ہی کی شخصیت کو پیش کیا گیا، اور جب قوم اس شخصیت کے صادق اور امین ہونے کا اقرار کر چکی، جب اس سچے کی زبان سے سچے کلام کی ادائی شروع کی گئی ۔ اس پر بھی سارے پیام کو دفعۃً پیش نہیں کر دیا گیا بلکہ پیامبر کی شخصیت پر مختلف دور اور طور طاری کر کے ۲۲۔۲۳ سال کی مدت میں بہت ہی تدریج کے ساتھ اس پیام کو پہنچایا گیا، پس فطری و ربانی ترتیب تو یہ ٹھہری کہ پہلے پیامبر پھر پیام، پہلے طبیب پھر نسخہ، پہلے ہادی پھر ہدایت، اب اگر ہم اس ترتیب کو الٹ دینا چاہیں، اور ہادی سے قطع نظر کر کے ہدایت تک، اشخاص سے بے نیاز ہو کر مسائل تک پہنچ جانا چاہیں، تو یہ فطری اور ربانی ترتیب سے موافقت نہ ہوئی،

اور یہ خیال نہ گذرے کہ یہ طریق دعوت و اسلوب ہدایت کچھ وحی الٰہی اور ذات پیمبر کے ساتھ مخصوص رہا ہے، نہیں بلکہ خود رسول نے اپنے قصد و ارادہ سے تبلیغ دین کا جو طریقہ اختیار کیا وہ بھی کچھ اسی طرح کا تھا، آپ نے یہ نہ کیا کہ قرآن مجید کے کامل نسخوں سے اس کے اجزاء کی نقلیں کرا کے اپنے ملک کے اطراف و جوانب میں بھیج دیتے، یا اپنے اقوال و سنن کو ضبط تحریر میں لا کر ملک میں ان نسخوں کی اشاعت کر دیتے، بلکہ آپ نے ایک بہت بڑی جماعت اپنے صحابیوں، رفیقوں، شاگردوں مریدوں ہی کی پیدا کی، اشخاص ہی تیار کئے، جو اپنی زندگیوں کے لحاظ سے آپ

کی تعلیم اور آپؐ کے عمل دونون کے جیتے جاگتے نمونے، چلتے پھرتے نسخے، بولتے چالتے مرقعے تھے، اور دین کی روشنی آپؐ نے انہین زندہ مشعلون کے ذریعہ سے پھیلائی، آپؐ نے یہ نہ کیا کہ کسی گوشہ مین خلوت نشین ہو کر، سکوت و عافیت کی فضا مین، قلم دوات لے کر بیٹھ جاتے، اطمینان سے تصنیف مین مشغول ہو جاتے، اور توحید و رسالت و معاد کے عقائد پر مقالے اور معاملات و عبادات پر رسالے تیار فرماتے لکھتے بلکہ آپؐ نے نور ہدایت سے براہ راست قلوب و نفوس کو منور کرنا شروع کر دیا، آپؐ کی یادگار، آپؐ کی کوئی کاغذی تصانیف نہین، بلکہ وہ انسانی تصانیف ہین، گوشت و پوست کے بنے ہوئے جسم اور تقویٰ و طہارت مین ڈھلی ہوئی روحین ہین، ان زندہ تصانیف کی تعداد ہزارہا تک پہنچی اور ان مین سے مشہور ترین کے نام ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ ہین، پھر یہ حضرات بھی اپنے اپنے عہد اور دور مین کتابی تصنیف و تالیف پر ذرا بھی متوجہ نہ ہوئے، حالانکہ اس وقت عجم و روم کے علوم و فنون و صنائع سب مسلمانون کے علم مین آ چکے تھے، بلکہ یہ بھی برابر اسی مین لگے رہے، کہ زندہ ہستیون کو اپنے نمونہ پر ڈھالتے رہین، اور اپنے شاگردون کے جسمون مین اپنی روحون کا نفخ دم کرتے رہین، اور اپنے چراغ سے دوسرے چراغ بھی روشن کرتے رہین۔

یہ جو اتنے فضائل و کمالات آپ صحابہؓ کے، اہل بیتؓ کے، مہاجرینؓ کے، انصارؓ کے، تابعین کے، تبع تابعین کے، سنتے چلے آئے ہین، تو خود ان الفاظ ہی پر غور کیجئے، کہ یہ کون لوگ ہین؟ وہی صحبت اور رفاقت کے رکھنے والے، بیعت کرنے والے، ارادت رکھنے والے، شاگرد و مریدین ہی ہین یا کوئی اور؟

مادّی علوم و فنون مین آج کون سا علم و فن یا دستکاریون مین سے آج

کون سی صنعت ایسی ہے، جس مین استاد کی مدد ناگزیر نہین، شاعری، ادب، طب، قانون، ریاضی، انجینیری، آخر کون ساشعبۂ زندگی؟ درآنحالیکہ ہر علم و فن اور ہر صنعت پر بیشمار کتابین چھوٹی اور بڑی، مبتدی و منتہی دونون کے کام کی موجود ہین، تو پھر آپ کی عقل یہ کیسے قبول کرلیتی ہے، کہ روحانیت کا علم جو ان سب علوم سے لطیف تر ہے، وہ بے استاد رہ جانے سے کوئی نقص پیدا نہ کرے گا؟ اور تزکیہ نفس کا فن جو سارے فنون سے دقیق تر ہے، محض کتابون کی مدد سے پورا آجائے گا؟ اللہ کی معرفت جو ہر معرفت سے نازک تر ہے، بغیر کسی رہبر و معلّم کے از خود پوری طرح حاصل ہوجائیگی؟ —— استاد اور رہنما تو اس سفر مین قدم قدم پر ناگزیر ہے، اور اسی استاد یا رہنما کا اصطلاحی نام شیخ یا مرشد ہے،

کہا گیا ہے کہ علماء حق کے ہوتے ہوئے پیرون اور مشائخ کی ضرورت کیا ہے، لیکن عرض یہ ہے کہ یہ "علماء حق" اور "مرشدین" و "شیوخ" کی درمیانی تفریق تو ہماری آپ کی قائم کی ہوئی، حقیقۃً اور اصلاً ہے کب؟ اسلام تو صالحین، صادقین، متقین، مومنین، موقنین، خاشعین، محسنین، ذاکرین، مخبتین قانتین، عابدین، صابرین، شاکرین، مخلصین کی جماعت پیدا کرنا چاہتا ہے، اور وہ ہستیان علم و عمل کی، حال و قال کی، قلب و قالب کی، ظاہر و باطن کی، فقہ و درویشی کی جامع ہوتی تھین، اس مین ہماری خود ساختہ تفریق "علم و مشیخت" کی گنجایش ہی کہان ہے، یہ تفریق تو دوسری بہت سی تفریقات کے دور انحطاط نے پیدا کر رکھی ہے، اور وہی اس کا ذمہ دار ہے، —— تذکرۃ الاولیا یا اس سے ملتی جلتی نامون کی جتنی بھی پرانی کتابین ملتی ہین، انھین اٹھاکر دیکھ لیجئے، سری سقطی اور جنید بغدادی، معروف کرخی، اور بایزید بسطامی، ذوالنون مصری،

اور فضیل بن عیاض سے قبل نام ائمہ فقہ کے اور ان سے بھی قبل نام خلفاے راشدین کے نظر آئین گے،

طریق کی اہم حقیقت شیخ یا مرشد کی صحبت ہے، لفظ 'صحابی' ہی زہد و طاعت تقوی و عبادت و علم و فضل غرض کسی اور وصف کو نہین، صحبت ہی کی اہمیت کو واضح کر رہا ہے، اور مرشد بھی وہی ہوتا ہے جس کا نفس خود ہی تزکیہ حاصل کئے نہین ہوتا، بلکہ اپنی صحبت و رفاقت سے دوسرون پر بھی اثر تزکیہ ڈال سکتا ہے، اور جو اپنے کمالات کو دوسرون تک متعدی کر سکتا ہے، شیخ وہ مصلح ہوتا ہے، جو یہ صلاحیت رکھتا ہے، کہ اپنی ہم نشینی سے دوسرن کی فطری صلاحیت کو ابھار سکے، پس مرید ہونے یا بیعت مین داخل ہونے کے معنی اس سے زائد اور کچھ نہین، کہ جس کے صالح و صادق ہونے پر بھروسہ ہو، اور جس کی شان طاعت و تقوی سے اپنا ضمیر و وجدان مطمئن ہو، اس کے اتباع کا قصد و اہتمام کیا جائے، اور اطاعت و نیازمندی کے ساتھ اس کی خدمت مین حاضری دی جائے، بیعت اور مریدی اس معنی مین بدعت ہونا کیا معنی، عین حکم الٰہی وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ کی تعمیل ہے، پوری آیت مع تشریح ملاحظہ ہو،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

اتَّقُوا اللّٰهَ

وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

گویا محض ایمان کافی نہین، ایمان والون ہی سے تو خطاب ہے، ایمان تو وہ لا ہی چکے ہین، اب ان سے کچھ اور مطالبہ بھی ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ "اے ایمان والو! اللہ سے تقوی اختیار کرو" اداے حقوق، اجتناب فی معصیت وغیرہ سب اس حکم تقوی کے تحت مین آگئے، لیکن اتنا ہی کافی نہین امر یدحکم ملتا ہے کہ "صادقون کی معیت اختیار کرو، راست بازون کی صحبت ورفاقت مین رہو"

اور یہی عین مریدی ہے،

مشکل یہ ہے کہ ادہر نام تصوف کا لیا گیا، اور ادہر ذہن کے سامنے آج کل کے مشائخ اور شاہ صاحبون اور سجادہ نشین پیرزادون کی اور ان کی محفلون کی تصویرین آجاتی ہین، غالی عقیدت مند چارون طرف سے حلقہ مین لئے ہوئے ہین، درمیان مین شاہ صاحب گیروے کپڑون یا صندلی لباس مین تشریف فرما ہین، کوئی کام ہے نہ کاج نہ دینی تذکرے نہ پند اور مواعظے، نہ نماز نہ قرآن، نہ اداے حقوق عباد اور جائز کسب معاش کی کوئی فکر و اہتمام، پان پر پان چبائے جا رہے ہین، چائے کا دور چل رہا ہے، اور یا پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ قوالی کی محفل گرم ہے، ستار اور ہارمونیم کے پورے لوازم کے ساتھ گانا امردون کا بلکہ نامحرمون کا سنا جا رہا ہے، فاسقون کا مجمع ہے، عرس کی تاریخین آگئی ہین، قبرون پر چادرین چڑھ رہی ہین، منتین مانی، اور مرادین مانگی جا رہی ہین، مٹھائیون کے دونے اور حلوے، توشے کے خوان پیش ہو رہے ہین، نذر و نیاز، چڑھاوے کے نام سے روپیہ پیسہ کے ڈھیر لگے ہوئے ہین، گفتگو مین سارے منہیات شرعی کا ارتکاب بےتکلف ہو رہا ہے، نہ غیبت سے بچنے کی فکر، نہ دلآزاری سے محتاط رہنے کا اہتمام،

تو غرض یہ کہ سائل کے پیش نظر عموماً اس قسم کے منظر ہوتے ہیں اور پھر شبہات و سوالات پیش کئے جاتے ہیں، نفس تصوف و سلوک و بیعت سے متعلق! ـــــ گویا چوراہہ کے اشتہاری دوا فروش یا محلہ کے اناڑی "نیم حکیم خطرۂ جان" پر قیاس حکیم اجمل خان اور حکیم محمود خان دہلوی کے مطب کا کیا جا رہا ہے! ـــــ جو چیزیں سلوک و طریقت سے الگ ہی نہیں بلکہ ان کی عین ضد ہوں انھیں دیکھ کر نفس طریق کی طرف سے مشکوک یا بدگمان ہو جانا، یہ تو سائل کا ظلم خود اپنی بصیرت پر ہوا،[1]

سوال میں ذکر اتباع رسول کا کیا گیا ہے لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے، کہ سوال کے پس منظر میں اتباع صرف افعال خارجی اور اعمال ظاہری کا رہا، حالانکہ پیکر خاک

[1] آپ بیتی کا بھی ایک ٹکڑا اسی سلسلہ میں سنتے چلئے، سنہ ۱۹۲۳ء کا ذکر ہے، لکھنؤ (سمت امین آباد) میں ایک اچھے نامور مسلمان ڈاکٹر صاحب تھے، جنھیں مذہبی بحث مباحثوں کے سننے میں خاص لطف آیا کرتا تھا، ایک روز جو میں حاضر ہوا تو ایک اجنبی صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، ڈاکٹر صاحب مجھے دیکھ کھل گئے، اور بولے آپ خوب موقع سے آگئے، ذرا ان صاحب سے بحث کیجئے، یہ تصوف کے شدید منکر ہیں، وہ صاحب بھی جیسے مناظرہ کے لئے تلے بیٹھے تھے، جھٹ میری طرف متوجہ ہو گئے، میں نے عرض کیا، گفتگو سے قبل موضوع کا صاف ہو جانا ضروری ہے، عرض یہ ہے کہ گفتگو کس تصوف پر ہو گی؟ آیا بدھو شاہ، نتھو شاہ، خیرو شاہ کے ہو حق پر یا اس طریق پر جو حضرت جیلانی اور شیخ سہروردی وغیرہ اکابر فن کی کتابوں میں مدون ملتا ہے، اگر پہلے پر ہے، تو میں پہلے ہی سے اپنی ہار مانے لیتا ہوں، باقی اگر فتوح الغیب یا عوارف یا کتاب اللمع یا قشیریہ پر آپ کو مجھ سے گفتگو فرمانا ہے تو بسم اللہ میں سنوں گا، کہ ان کے کون کون سے مقامات آپ کو کتاب اللہ یا سنت رسول کے مخالف نظر آتے ہیں، بس اسی پر وہ صاحب تو کچھ کھو سے گئے، اور ڈاکٹر صاحب اپنا دل پسند تماشہ دیکھنے سے محروم رہ گئے،

کے اندر ایک نور پاک بھی جلوہ گر تھا، اور اس نور کی تجلی ریزی ہر لمحہ اور ہر گھڑی ہوتی رہتی تھی، تمام صحابہؓ ہر حیثیت سے مساوی نہ تھے، اپنا اپنا ظرف تھا، خالدؓ جانباز میدان جہاد کے یکتا ہوئے، ابو ہریرہؓ روایات حدیث کی اشاعت مین لگے رہے، ابن عباسؓ کی قسمت مین ترجمان القرآن بننے کی سعادت آئی، ابن عمرؓ نے ترویج سنت کی خوش نصیبی پائی، ابو بکر صدیقؓ نے زمام خلافت کو سنبھالا، حسین بن علیؓ نے شہادت کا حق ادا کیا، غرض ہر ایک کا مذاق طبیعت جداگانہ تھا، اکثریت کی توجہ قدرۃً امور خارجی پر زیادہ رہی، رسولؐ نماز مین ہاتھ سینہ پر باندھے یا ناف پر؟ آمین سورہ فاتحہ کے ختم پر زور سے کہی یا آہستہ؟ اس قسم کے مسائل کا مطالعہ بڑی تفصیل و وسعت سے ہوتا رہا، لیکن ایک دوسری جماعت کی نظر قال سے زیادہ حال پر، ظاہر سے زیادہ باطن پر رہی، انھون نے محض غزوۂ بدر اور فتح مکہ کا جاہ وجلال ہی نہین دیکھا، بلکہ غار حرا کی خلوت آرائیون کا بھی مزہ چکھا، انھون نے محض حرض المومنین علی القتال ہی کا پیام نہین سنا، بلکہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ کی حقیقت کو بھی پہچانا، ان کی نگاہین یہین تک محدود نہین رہتین کہ نماز مین رکعتین کتنی اور کس قاعدہ سے پڑھی گئین، بلکہ یہان تک بھی پہونچین کہ نماز کس ذوق شوق سے پڑھی گئی، حضوع وخشوع کی کیا کیفیتین طاری رہین، اور زبان کے ساتھ دل کن کن منزلون سے گذرتا رہا، اس نعمت کے حصہ دار کم وبیش تو سب ہی صحابی تھے، لیکن جو خصوصیت کے ساتھ اس دولت سے مالا مال رہے، اور آج بھی ہر شجرۂ طریقت کے سر سلسلہ ہین ــــ حضرت ابو بکرؓ و حضرت علیؓ مرتضےٰ، حضرت ابو عبیدہؓ حضرت سلمانؓ وغیرہم بلکہ بعض قدیم کتب سلسلہ مین تو صراحت کے ساتھ نام حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے بھی درج ملتے ہین،

شریعت اور طریقت کے درمیان رشتۂ تضاد و نسبت تنافی جو ہمارے دلون مین خدا معلوم کب سے اور کہان سے جاگزین ہو گئی ہے، یہ تو تمامتر ہماری ہی پیدا کی ہوئی ہے ورنہ اکابر طریقت تو اس سے صاف لفظون مین تبری کر رہے ہین اور کہہ رہے ہیں کہ شریعت کے نقطۂ کمال ہی کا نام طریقت ہے، اتباع رسولؐ جب تک ظاہر و خارج، اعضاء و جوارح تک محدود ہے، اس کا نام شریعت ہے، اور جب قلب و باطن بھی اسی نورانیت سے منور ہو گیا، تو یہی طریقت ہے، ایک شخص نے نماز ظاہری ضابطون اور قاعدون کے مطابق پڑھ لی تو اس کی نماز شریعت کی نظر مین ہو گئی، فقیہ اسے کافی سمجھ لے گا لیکن اہل طریق اس پر مطمئن نہ ہون گے، ان کا اس پر اصرار ہو گا کہ جس طرح چہرہ خانہ کعبہ کی طرف رہا، قلب رب کعبہ کی جانب متوجہ رہے، اور جس طرح جسم و لباس ظاہری نجاستون سے پاک رہا، دل و دماغ بھی اندرونی تاریکیون، آلائشون، پراگندہ خیالیون سے پاک صاف رہے، ـــــ یہ شریعت کی مخالفت ہوئی یا عین منشائے شریعت کی تکمیل؟

اکبر الہ آبادیؒ جس پایہ کے شاعر ہوئے ہین، اسی درجہ کے حکیم و عارف بھی تھے، ایک طویل نظم انھین مقامات شریعت و منازل طریقت کی شرح و توضیح مین کہی ہے دو چار شعر ملاحظہ ہون،

شریعت در محفل مصطفٰےؐ	طریقت عروج دل مصطفٰےؐ
عبادت سے عزت شریعت مین ہو	محبت کی لذت طریقت مین ہے،
شریعت مین ہے صورت فتح بدر	طریقت مین ہے معنی شق صدر
شریعت مین ہے قیل و قال حبیب	طریقت مین حسن و جمال حبیب
نبوت کے اندر ہی ہین دونون رنگ	عبث ہے یہ ملا و صوفی کی جنگ

انھین کی ایک دوسری نظم کے دو شعر ؎

ملا پکارتے ہین منطق کی جنگ اچھی — صوفی کا ہے ترانہ حق کی ترنگ اچھی

ملا یہ کہہ رہے ہین قرآن ہی سو پڑھئے — صوفی یہ کہہ رہے ہین معنی سمجھ کے پڑھئے

اور ایک اور مصرعہ

شریعت ہے تم پر طریقت ہے تم مین

آخر یہ ارشاد بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ایک باخبر سائل کے جواب مین ہے کہ

قال ما الاحسان قال ان	احسان اس کا نام ہے کہ اللہ کی عبادت
تعبد اللہ کانک تراہ فان لم	اس طرح کی جائے جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے
تکن تراہ فانہ یراک ،	اور اگر تو اسے نہین دیکھ سکتا تو وہ تو
(بخاری کتاب الایمان)	تجھے دیکھ رہا ہے،

پوری حدیث ذرا طویل ہے، اس مین ایمان کی تشریح بعض عقائد سے کی گئی ہے، اور اسلام کی توضیح بعض اعمال سے، اس کے بعد تیسری توضیح احسان کی ہے، گویا عقیدہ وعمل دونون کے بعد ایک تیسری منزل ان سے بلند تر احسان کی آتی ہے، جس کا تعلق صرف جاننے اور ماننے اور کرنے اور برتنے سے نہین بلکہ مشاہدہ ورویت سے بھی ہے، اور یہی منزل سلوک وطریقت کی ہے، مشہور عارف وفاضل شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی اہل تصوف کے بجائے "اہل احسان" ہی کی اصطلاح آیہ قرآنی وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ سے اخذ کرکے اختیار کی ہے، اور بعض اہل علم نے اہل صدق اور صدیقین کی اصطلاحون کو چلانا چاہا ہے، لیکن خیر، یہ ساری بحثین لفظ واصطلاح کی ہین، اصل سوال صرف یہ ہے

کہ ایمان کے اجزا، اور اسلام کے ارکان تو کتابون سے بیشک دریافت ہوجاتے ہین، لیکن ہر عمل کے پیچھے جو روح عمل کارفرما ہوتی ہے، وہ محض ان کتابی واسطون' اور نوشتون سے پوری طرح حاصل کرلی جائے، قلب کو مرتبۂ احسان تک پہنچانا، باطن کا تزکیہ، نفس کا جلا، اخلاق کی پاکیزگی، عادت و خصلت مین ایثار، یہ سب بغیر ایک زندہ معلم کی وساطت کے عموماً و عادۃً کیونکر ممکن ہے؟ جو قانون اور ضابطے کتابون مین درج کرنے والے تھے، وہ بیشک بڑی تحقیق اور پوری تفصیل کے ساتھ حدیث و آثار و فقہ کی کتابون مین مدون ہوتے رہے، لیکن جو چیزین ایک قلب سے براہ راست دوسرے قلب مین منتقل ہونے کی ہین، ان کے لئے کاغذ کے طومار اور روشنائی کے ڈھیر کس حد تک کافی ہوسکتے ہین؟ ہر عمل، ظاہر ہے کہ اپنی ایک صورت بھی رکھتا ہے، اور ایک روح بھی، فقہ کا تعلق صورتِ عمل سے ہے، اور سلوک و طریقت کا روح عمل سے،

پھر یہ بھی خوب لحاظ رہے، کہ جسے شیخ یا مرشد کہا جاتا ہے، وہ کوئی خود رائے اور خودرو ہستی نہین ہوتی، قرآن مجید کی محفوظیت کے قائل ہم آپ اس کی سند متصل ہی کی بنا پر تو ہین، اور بخاریؒ کی بھی کوئی روایت اسی لئے تو حدیث رسول تسلیم کی جاتی ہے، کہ وہ معتبر سند مسلسل کے ساتھ چلی آتی ہے، بس کچھ اسی طرح، گو یقیناً اسناد قرآن تو کجا، اسناد حدیث سے بھی کہین ہلکے پیمانہ پر اور نیچے درجہ مین، پیر و مرشد کا قلب بھی واسطہ در واسطہ، سلسلہ بہ سلسلہ، مرشد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے ملا ہوتا ہے، اس کا رابطۂ روحانی بھی کچھ ایسی ہی زنجیر کی کڑیون کی طرح سرچشمۂ تقدیس و روحانیت سے جڑا ہوتا ہے، ایک گروہ بخاریؒ، مسلمؒ و ابوحنیفہؒ و شافعیؒ کی قیادت مین اگر اخبار رسول و آثار رسول کو اپنے ضخیم دفترون مین مدون کرتا رہا، تو دوسری طرف کچھ لوگ حسن بصریؒ اور

ابو طالب مکی کی امامت مین اسرار رسولؐ اور انوار رسولؐ سے اپنے قلب وسینہ کو گلزار کرتے رہے، ادہر رسولؐ کا ایک قال سفینہ سے دوسرے سفینہ مین نقل ہوتا رہا، ادہر رسولؐ کا حال ایک سینہ سے دوسرے سینہ کو طور سینا بناتا رہا،

دونون شعبون کی جامعیت اور کاملیت قرون اولی مین بھی ہر خوش نصیب کے حصہ مین یکسان نہین آئی تھی، پھر آج اس کے نمونے کثرت سے کیون نظر آنے لگے تاہم کوئی زمانہ ایسی ہستیون سے بالکل خالی بھی نہین رہتا، حکیم الامت مولنا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کو دیکھنے والی آنکھین تو ابھی ہزارہا ہزار کی تعداد مین موجود ہین، کاملین کسی فن کے کسی زمانہ مین بھی کثرت سے نہین ہوتے، پھر جو فن سب فنون سے لطیف تر و شریف تر ہو، اس کے ماہرین و کاملین ظاہر ہے کہ انگلیون ہی پر شمار کرنے کے قابل ہون گے، لیکن یہ بھی ظاہر ہے، کہ یہان بحث کثرت و قلت سے نہین، نفس وجود سے ہے،

سوال کیا گیا ہے، کہ کوئی مسلمان اگر اپنی فطری صلاحیت سے اپنے اخلاق کی اصلاح کر لینا چاہے، تو کیا ایسا ممکن نہین، ممکن بے شک ہے، لازمی اور ناگزیر تو صرف تصدیق نبوت ہے، ایک نبی تو بے شک ایسا ہوتا ہے کہ اس پر ایمان لائے بغیر محض اپنی طبیعت یا خالص عقل و استدلال کی مدد سے کسی انسان کا صالح و مقرب بن جانا ممکن نہین، باقی اس کے سوا کسی بڑے سے بڑے صالح یا مصلح یا نائب نبی کا اتباع بلکہ تصدیق بھی ناگزیر ہرگز نہین، یہ مرتبہ تو صرف نبی کے لئے مخصوص ہے، لیکن دوسری طرف عام فطرت بشری ہے ایسی کہ بغیر کسی صالح و مصلح شخصیت کی رہنمائی و توسط کے تزکیہ اخلاق کافی حد تک ہو جانا، عموماً اور عادۃً آسان نہین، کمتر ہی لوگ ایسے ہوتے ہین،

جو محض اپنی عقل سلیم اور کتابون کی مدد سے صالحیت کے مرتبہ پر پہنچ جاتے ہین، ورنہ اکثر و بیشتر تو ضرورت ایک رہنما، استاد معلّم یا ہادی کی رہتی ہی ہے، بلکہ بعض طبیعتین تو ایسی ہوتی ہین، جن مین انقیاد و اطاعت کا مادہ خلقةً کم ہوتا ہے، اور تنقید و نکتہ چینی کا زیادہ، ایسون کے لئے تو کسی شیخ کے ہاتھ مین اپنا ہاتھ دینا بجائے مفید کے مضر ہی پڑے گا، شیخ بہرحال بشر ہی ہوتا ہے، ایسے اشخاص کی نظر اس کی بشری کمزوریون ہی کی طرف زیادہ پڑے گی، اور اس سے بجائے نفع کے الٹے نقصان ہی کا اندیشہ ہے، غرض کسی شیخ کے اختیار کرنے پر یہ جو زور دیا گیا ہے، اس کی حیثیت کلیہ کی نہین، لیکن اکثریہ کی ہے،

لیکن اس تجربی اور عملی شہادت سے قطع نظر جس اقتدار رسول و اتباع رسول پر حدیث کیا معنی نصِّ قرآنی تک ناطق ہے، اس حکم اقتدار و اتباع کو صرف احکام ظاہر تک محدود رکھنے کی آخر کیا دلیل ہے، کوئی بھی نہین، حکم اطاعت رسول جہان کہین بھی وارد ہوا ہے، مطلق و غیر مرتبہ صورت مین آیا ہے، ظاہر و باطن کی اس مین کوئی تخصیص نہین، دونون کے مجموعہ پر شامل ہے، نماز کے اوقات، رکعات کی تعداد، رکوع و سجود کی ہیئت، قرارت و قیام و تشہد کی نوعیت ہی نہین، بلکہ نماز کے اندر خضوع و خشوع، حضور رب مین ذوق و شوق وغیرہ بھی تو اس اسوۂ حسنہ ہی کے حکم مین داخل ہین، گو ظاہر ہے کہ ان لطائف و دقائق کا ادراک بھی چونکہ جلی نہین، اس لئے ان کا تحقق بھی نسبتہً خفی ہی ہوگا، تو غرض یہ کہ اس پیروی باطن رسول کی کیا صورت بجز اس شخصیت کی پیروی کے ہے، جسے رسول سے سلسلہ بہ سلسلہ یہ نعمت مل چکی ہو، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اصل

مقصد بھی تو کلام مجید میں تلاوت آیات الٰہی کے بعد ایک نہیں دو بتائے گئے ہیں،

رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ — ایک تزکیۂ نفس و تقوائے قلوب

وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ — دوسرے تعلیم و تشریح کتاب و حکمت،

کتاب و حکمت کی تعلیم و تشریح کا سامان تو الحمد للہ محدثین و فقہاء کی تربتوں کو ٹھنڈا رکھے ان کی جانفشانیوں سے ہو گیا، لیکن حکم تزکیۂ نفس کی تعمیل کی عملی صورت کیا ہو؟ یا خدانخواستہ کچھ یہ صورت ہے کہ امت نے اس حکم کو قابل تعمیل ہی نہ سمجھا؟ نہیں اور سو بار نہیں، "مرشد کی تلاش" یعنی ایک زندہ و مکمل نائب رسول سے تعلق اتباع اس سوال کا جواب ہے، مرشد کے لفظ سے ذہن ہرگز چادر اور گاگر، مزار اور صندل، ستار اور طنبورہ کی طرف منتقل نہ ہو، مراد اس سے صرف ایک زندہ شخصیت ہے،

یہ مرشد صحیح معنے میں مقلد محض ہوتا ہے، استاد ازل کے سبق کو دہرا دینے والا آئینہ کے عقب میں طوطی" — ایجاد و اختراع ہرگز اس کا منصب نہیں — لیکن اجتہاد جزوی اور استنباط کا دروازہ تو مقلدوں کے ماہرین فقہ اور غیر مقلدوں کے ماہرین حدیث دونوں کیلئے کھلا ہوا ہے پھر اس رحمت عالم کا دروازہ غریب صوفی ہی کے حق میں کیوں بند رہے؟ وہ اپنے تجربات و مشاہدات کی طرف سے آنکھیں بند نہ رکھے گا، جس طرح اہل ظاہر اپنے حواس و عقل کو معطل نہیں کر دیتے، وہ نور نبوت ہی کی روشنی میں تدبیریں اور معالجے وقت و ماحول کی مناسبت سے مرض کی نوعیت اور مریض کے مزاج کے مطابق نکالتا اور بتاتا رہے گا، یہ اس کی خود رائی نہ ہو گی، عین اجرائے حکم دین ہو گا، یہ بدعت کی نہیں اتباع سنت ہی کی صورت ہو گی، البتہ اس کے لئے بھی حدود و قیود ضرور ہیں جس طرح کہ اہل ظاہر کے لئے احکام کے اجتہاد و استنباط کے لئے قاعدے ہیں، پابندیاں ہیں،

یہ نہین کہ اندھا دھند وہ جس چیز کا چاہے، حکم دیدے، جس عمل کو چاہے ممنوع ٹھہرا دے،

مصیبت یہ ہے کہ دلیل کے مقدمات مین مثالین، بہروپیون کی، اناڑیون کی پیش نظر رہتی ہین، اور نتائج نکالتے وقت سرے سے اصلیت و واقعیت ہی سے انکار کر دیا جاتا ہے، یہ کہان کا انصاف اور تقاضاے دیانت ہے، کہ اگر آپ کئی بار پیتل پر سونے کا دھوکا کھا چکے ہین، تو آپ سونے کے وجود ہی سے منکر ہو جائین، اگر چوراہے کے اشتہاری دوا فروش آپ کو ٹھگ چکے ہین، تو آپ اطبار حاذقین کے بھی دشمن ہو جائین،

کہا جاتا ہے کہ "بیعت کا مقصد اگر دعوت الی الحق ہے تو مشائخ کی جماعت اس فرض کو کہان تک ادا کر رہی ہے"؟ سوال معقول ہے، لیکن تلاش یہین کیون ختم کر دی جاتی ہے، علمار ظاہر کا بڑا گروہ آج کب فریضہ امر بالمعروف ادا کر رہا ہے، آمرامت کہان تک اسلام کے بتائے ہوے مسلک پر چل رہے ہین، تاجرون کو کتنا خیال دیانت و اکل حلال کا باقی رہ گیا ہے، وقس علی ہذا۔ ظاہر ہے کہ امت کا کوئی سا طبقہ بھی آج اگر اپنے فرائض پر چٹان کی طرح قائم ہوتا، تو امت کو یہ دن دیکھنا ہی کیون نصیب ہوتا، اچھے برے، نیک و بد، کھرے کھوٹے، امت کے ہر طبقہ کے اندر ہین، بدون کی اکثریت ہے، گھبرا کر نیکون کی اقلیت کے وجود سے انکار کر بیٹھنا نہ قرین عقل ہے، نہ تقاضاے شریعت،

نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

تصوف و سلوک کے نام کو بدنام کرنے والون کے ہجوم عام مین اسے نیک نام رکھنے والے کچھ حقیقی صوفی تو ہمیشہ کی طرح آج بھی موجود ہین،

شاہ ولی اللہ دہلویؒ متاخرین کے طبقۂ اول مین اس فن کے امام ہوئے ہین،

اپنے رسالہ القول الجمیل مین تحریر فرماتے ہین کہ بیعت سنت رسول ہے، اور بیعت کا اطلاق صرف بیعت خلافت تک محدود نہین بلکہ عہد نبوت مین بیعت کی مختلف صورتین تھین مثلاً بیعت خلافت، بیعت جہاد، بیعت توبہ وغیرہ — صوفیہ کی مروجہ بیعت، بیعت تقویٰ مین داخل ہے، خلفاے راشدین کے زمانہ مین اس بیعت کی علٰحدہ ضرورت نہ تھی، اس لئے کہ ان سے جو بیعت خلافت ہوتی تھی اس مین یہ بیعت بھی داخل وشامل ہوتی تھی، اس کے بعد ایک عرصہ تک یہ بیعت، بیعت خلافت کے ساتھ التباس واشتباہ کے اندیشہ سے ملتوی وموقوف رہی، اور گروہ صوفیہ اس بیعت کا قائم مقام خرقہ کو سمجھتا رہا، پھر جب ملوک وسلاطین کا دور دورہ پوری طرح ہوگیا، اور خلافت رسول کی بیعت بند سی ہوگئی، توصوفیہ کرام نے بیعت تقویٰ کی سنت مردہ کو پھر سے زندہ کیا، — آگے چل کر جہان شاہ صاحب بیعت لینے والے مرشد کے اوصاف وخصائص شمار کرتے ہین، وہان ایک خصوصیت یہ بھی بیان کرتے ہین،

والشرط الخامس ان یکون تصحب المشائخ وتادب بہم دھراً طویلاً واخذ منہم النور الباطن والسکینۃ وھذا لان سنۃ اللہ جرت بان الرجل لایفلح الا اذا رای المفلحین کما ان الرجل لایتعلم الا بصحبۃ العلماء وعلیٰ ھذا القیاس غیر ذالک من الصناعات	پانچوین شرط یہ ہے کہ اس کو مشائخ کی صحبت رہی ہو اور اس نے ان سے ایک عرصۂ دراز تک ادب اور قاعدے سیکھے ہون، اور ان سے باطن کا نور اور اطمینان حاصل کیا ہو، اور یہ شرط اسلئے ہی کہ عادت اللہ یون ہی جاری ہے کہ کسی کو مراد اس وقت تک نہین ملتی جبتک وہ مراد پانے والون سے نہ مل سکا ہو اسیطرح جسطرح علم بغیر صحبت علما کے نہین حاصل ہوتا نیز دوسرے ہنر بغیر استاد کے

مقالہ یون ہی بہت طویل ہو گیا ورنہ توقعہ تھا کہ محقق دہلوی کے قول کی تصویب و تائید مین خود قرآن مجید سے استناد کیا جاتا، اور آداب مرشد پر مکالمۂ حضرت موسیٰ و خضر سے کچھ روشنی حاصل کی جاتی، نیز خلیفۃ اللہ کے آگے از راہ کبر و انانیت سر نہ جھکانے کی وعید پر قصۂ آدم و ابلیس سے کچھ لطائف و ارشادات درج کئے جاتے،

رہے اذکار و اشغال اصطلاحی اور رسوم صوفیہ مثلاً خرقہ پوشی، سو اول تو انکا کوئی لازمی تعلق مقصود بیعت اور تلاش مرشد سے ہے نہین، اور پھر ان مین سے اکثر چیزون کی اصل، کسی نہ کسی حد تک سنت و آثار مین بھی مل جاتی ہے، جیساکہ شیخ قشاشیؒ کے پر معلومات رسالہ السمط المجید (مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن) سے ظاہر ہو گا، اور ہمارے زمانہ کے شیخ اعظم، حکیم الامت تھانویؒ نے تو یہان تک صاف کر دیا ہے، کہ خود رسم بیعت یعنی (مرشد کا ہاتھ پکڑنا) ایک بالکل ثانوی حیثیت بلکہ اس سے بھی کم تر درجہ کی چیز ہے، راہ سلوک مین جو کچھ اہمیت ہے، وہ مرید کی طرف سے صرف اس کے اخلاص ارادت اور عزم اتباع شیخ کی ہے،

ایک ضمنی سوال یہ تھا کہ حدیث نبوی من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ الجاھلیۃ سے کیا مراد ہے؟ سو اس کے جواب مین عرض ہے، کہ اس کا تعلق اطاعت امیر و خلیفہ سے ہے، صوفیہ کی مصطلح بیعت سے اس کا کوئی تعلق نہین، امام مسلم اسے اپنی صحیح مین کتاب الامارۃ مین لائے ہین، اور مشکوٰۃ مین بھی کتاب الامارۃ ہی مین نقل ہوئی ہے، پوری حدیث کے الفاظ یہ ہین،

عن عبد اللہ بن عمر قال	عبد اللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہین کہ
سمعت رسول اللہ صلعم	مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یقول من خلع یدا من طاعۃ	کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو کوئی اطاعت
لقی اللہ یوم القیامۃ ولا حجۃ	(امیر) ترک کردے گا، وہ اللہ کا سامنا
لہ ومن مات ولیس فی	قیامت مین یون کریگا کہ کوئی عذر اس کے
عنقہ بیعۃ مات میتۃ	پاس نہ ہوگا، اور جو اس حالت مین
الجاھلیہ،	مرجائے گا کہ اس کی گردن مین طوق
	بیعت نہ ہوا، تو وہ گویا جاہلیت کی
	موت مرا،

اس سے ملتی ہوئی اور بھی متعدد حدیثین صحیحین مین کتاب الامارۃ اور کتاب الاحکام کے ماتحت وارد ہوئی ہین، ان سب کا مقصد اطاعت امیر اور لزوم جماعت کی تاکید ہے چنانچہ خود مسلم ہی کی ایک دوسری حدیث کے الفاظ ہین،

من خرج من الطاعۃ و	جو شخص اطاعت (امیر) سے نکل گیا
فارق الجماعۃ فمات مات	اور جس نے جماعت (امت اسلامیہ) کو ترک
میتۃ الجاھلیۃ،	کردیا، اور مرگیا، تو وہ جاہلیت کی
	موت مرا،

باقی جہان بدقسمتی سے اسلامی حکومت ہی سرے سے نہ ہو، اور کوئی خلیفہ یا امیر یا امام مسلمین موجود ہی نہ ہو، وہان بجز اس کے اور کیا ہوسکتا ہے، کہ امت نصب امیر کی کوشش مین برابر لگی رہے، اور اس درمیان مین اس کے قریبی مرتبون کی تلاش جاری رہے،

عوام کے ذہن مین مرشد کی تعظیم و احترام کا جو مبالغہ آمیز اور شرک سے

ڈانڈے ملادینے والا تخیل قائم ہوگیا ہے، اس مین اعتدال پیدا کرنا اور اس کی اصلاح ہی ضروری ہے، شیخ اول تو درجہ کامل کے ہین ہی کیاب — اور پھر بالفرض وہ کامل سے کامل ہون، جب بھی بہرحال معصوم تو نہین ہوسکتے، درجۂ عصمت و معصومیت صرف انبیائے کرام کے لئے مخصوص ہے، شیخ غلطیان بھی کریگا اور اجتہادی غلطیان تو ممکن ہے کہ کثرت سے کرے، دائرہ طریقت و شریعت کے اندر بھی وہ ہر خطا و لغزش سے محفوظ نہین، اور اس کے باہر دنیا کے عام مسائل مین تو اس کی رائے وہی درجہ رکھتی ہے جو دوسرے انسانون کی لغزشون بلکہ معصیتون کا صدور بھی اس سے ناممکن نہین، بہرحال وہ ایک بشر ہی ہے، غیر معصوم۔ البتہ اس کے فضائل و کمالات کا پلہ نسبتہً بہت بھاری ہوگا، گناہون کا صدور اس سے کمتر ہوگا، کبائر اصرار و تواتر کے ساتھ اس سے صادر نہ ہون گے، اور بحیثیت مجموعی اس کی بصیرت دینی اور روحانی معاملات مین تقرب الی اللہ کے وسائل و مسائل مین بہت صاف ہوگی،

خلاصہ چند لفظون مین یون سمجھئے کہ

(۱) حقیقی نائبان رسول اور مصلحین کے زندہ نمونے ہر دور مین موجود رہتے ہین، اجزائے دین مین عملی رسوخ عام سنت الٰہی کے مطابق انہین کی صحبت و معیت سے پیدا ہوتا ہے،

(۲) اپنے امکان بھر کوشش و تلاش کرکے اپنے کو ان تک پہنچانا اور ان سے عملی تعلیم حاصل کرنا چاہیئے،

(۳) تاہم یہ کوئی درجہ فرض یا واجب کی چیز نہین، اگر کسی کی رسائی ایسے مصلح تک نہ ہو سکے یا اس پر اپنی طبیعت نہ جمے تو وہ معذور ہے،

(۴) احکام دین درجۂ ضروری مین اسے جس طرح بھی پہنچ جائین، بس نجات و مغفرت کے لئے انہی پر عمل کافی ہے'

(۵) مرشد کا وجود ایک نعمت ہے، البتہ اسے وہ درجہ اہمیت بھی حاصل نہیں جو اہل غلو نے اسے دے رکھا ہے[۱]

---

[۱] اکبر الہ آبادی کا ایک شعر جو محض دل لگی کا نہین ہے

تجربہ خود ہی بنا دیتا ہے مرشد اکبر — سچ کہا آپ نے پیری مین مریدی کیسی

مصنف کی دوسری کتابیں

فیہ مافیہ

ملفوظات مولانا روم جو ایک نایاب کتاب تھی مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے مختلف نسخوں سے مقابلہ کر کے اس کو مرتب کیا، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ قیمت عا حجم ۲۸۲

مثنوی بحر المحبت

شیخ مصحفی کی ایک نایاب مثنوی، مع سوانحعمری مصحفی، قیمت: ۸ ر

سفر حجاز

اس سفرنامہ میں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے اپنے سفر حجاز کے دلچسپ، چشم دید حالات لکھے ہیں اور حج و زیارت کے متعلق تمام فقہی معلومات و ہدایات کو جمع کر دیا ہے، ضخامت ۴۱۲ صفحے، قیمت: عا ر

مکالمات برکلے

برکلے کی ڈائلاگس کا ترجمہ جس میں مکالمہ کی صورت میں برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے، ضخامت: ۸۴ صفحے قیمت: عہ

مبادی فلسفہ حصہ اول

مولانا کے مختلف فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ ہے، مضامین دلچسپ و طرز بیان رواں و شگفتہ ہے، ضخامت ۸۰ صفحے قیمت، عا، حصہ دوم یہ موصوف کے سات فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ ہے قیمت عہ

مسعود علی ندوی، منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

(پرنٹر و پبلشر مسعود علی احمد)